کربلا کے بعد
برادرز

۴۸۶
۹۲

کربلا کے بعد

:مصنّف:

فاضل علوم اسلامیہ حضرت مولینا قاری محمد عبدالتواب صاحب قادری حبیبی

:بانی:

مدرسہ عربیہ فیّاض العلوم

:ناشر:

شبیر برادرز ۴۰-بی اردو بازار لاہور

انتساب

بحضور مجاہد ملت

مولینا الحاج محمد حبیب الرحمٰن صاحب

گدائے حبیب

محمد عبد التواب صدیقی قادری حبیبی

نام کتاب: کربلا کے بعد

تعداد: ایک ہزار

ناشر: شبیر برادرز اردو بازار لاہور

مطبع: خادم پرنٹرز لاہور

قیمت:

فہرست مضامین

پیش لفظ

گھڑا ابھرنے میں دیر لگتی ہے۔ لیکن جب گھڑا ابھر جاتا ہے تو اس کو ڈبونے کیلئے ایک ہلکی سی موج کافی ہوتی ہے نظالم اپنی طاغوتی طاقتوں اور مال و دولت کے نشہ میں انجام سے بے پروا ہو کر ظلم کے کسی بھی امکانی طریقہ کو اپنانے سے گریز نہیں کرتا مظلوم کی چیخ و پکار اس کیلئے نغمۂ پرکیف ہوتی ہے مظلوم کا درد و کرب سے بے چین ہو کر تڑپنا اس کے لئے نظارۂ عیش ہوتا ہے۔ لیکن جب اسکے ظلم کا گھڑا ابھر جاتا ہے تو عذاب الٰہی کی معمولی سی لہر اسکو ہمیشہ کیلئے ذلت و رسوائی کے سمندر میں ڈبو دیتی ہے۔ ظالم مٹ جاتا ہے لیکن دنیا ہمیشہ اس پر لعنت بھیجتی رہتی ہے۔

میدان کربلا میں آل محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر یزیدیوں نے ظلم کا وہ کون سا حربہ ہے جو نہ آزمایا ہو۔ ان کی ظالمانہ روش کو دیکھ کر آسمان بھی خون کے آنسو رو دیا۔ امام عالی مقام اور ان کے ساتھیوں نے ظلم و ستم کے ہر وار کو سہا اور ہر زخم پر مسکرائے آج انجام ہمارے سامنے ہے یزیدی ایک ایک کر کے مٹا دیئے گئے ان کے آتش ظلم نے انھیں کو اور ان کی ہر نشانی کو اسطرح جلا کر خاک کر دیا گویا ان کا وجود تھا ہی نہیں یزیدی مٹ گئے لیکن اُس وقت سے آج تک اور آج سے صبح قیامت تک ہر انصاف پسند طبیعت ان پر ملامت بھیجتی ہے اور بھیجتی رہے گی۔

آج بھی وہ اسلام دشمن جماعتیں جو مسلمان کو یا تو فنا کر دینا چاہتی ہیں یا اپنی درندگی اور بہیمیت کا بدترین مظاہرہ کر کے مسلمانوں کو ایمان و اسلام سے برگشتہ

کر کے اپنی گمراہی و ضلالت کے رنگ میں رنگنا چاہتی ہے۔ انہیں اچھی طرح یہ یقین کر لینا چاہیے کہ ان کی یہ کوشش کبھی بھی بار آور نہ ہو سکے گی۔ مسلمانوں کے رگ و ریشہ میں حسینیت رچی بسی ہوئی ہے مال اولاد جان سب دے سکتے ہیں لیکن ایمان و اسلام کی آبرو نہیں دیں گے ؎

جو مال مانگو تو مال دیدیں جو جان مانگو تو جان دیدیں
مگر یہ ہم سے نہ ہو سکے گا نبی کا جاہ و جلال دیدیں

اگر چہ اس وقت مسلمانوں پر ظلم و ستم کے تیرہ و تار بادل چھائے ہوئے ہیں اور روزانہ کہیں نہ کہیں برستے ہی رہتے ہیں لیکن مسلمان مطمئن ہیں کہ اگر آج ان کے سروں پر ظلم کی تاریک رات سایہ کئے ہوئے ہے تو کل عدل کا سویرا بھی ضرور ہوگا جس کے اجالے میں دنیا ظالموں کا عبرت ناک انجام دیکھے گی۔

زیر نظر کتاب میں کربلا کے بعد رونما ہونے والے ان دلدوز واقعات کی تفصیل ہے جن کو سن کر اور پڑھ کر ایمان لرز اٹھتا ہے۔ کربلائی ظالموں کا بھیانک انجام دنیا کے جفا پیشہ افراد کیلئے نہایت ہی عبرت انگیز اور سبق آموز ہے۔

گدائے حبیب

محمد عبد التواب صدیقی قادری حبیبی

جب امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے شہادت پائی

کنکریوں سے خون بہا

حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ جس رات کی صبح امام حسین کی شہادت ہوئی اس رات میں نے کسی کو یہ شعر پڑھتے ہوئے سُنا۔

ایھا القاتلون جھلاً حسینا البشاروا بالعذاب والتنکیل
قد لعنتم لسان ابن داؤد وموسی وحامل الانجیل

یہ سُنتے ہی میں چونک پڑی چاروں طرف شعر پڑھنے والے کو تلاش کیا۔ لیکن کہیں کوئی نشان بھی نہ مل سکا بے ساختہ آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور اس شیشہ کو کھول کر دیکھا۔ جس میں سرکار کی عطا کردہ کنکریاں رکھی ہوئی تھیں وہ کنکریاں جنہیں دیکر سرکار دو عالم نے ارشاد فرمایا تھا کہ جس دن یہ خون بن جائیں سمجھ لینا کہ میرا حسین میدان کربلا میں شہید کر دیا گیا۔ تو میں نے دیکھا کہ ان کنکریوں سے خون بہہ رہا ہے۔

خون کا شیشہ

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ میں نے ایک دن دوپہر کے وقت حضور کو خواب میں دیکھا کہ آپ کے سر اقدس ... ریش مبارک کے بال غبار آلود ہیں اور خون سے بھرا

ہوا شیشہ آپ کے دستِ اقدس میں ہے۔ میں نے عرض کیا سرکار میرے ماں باپ قربان یہ خون سے بھرا ہوا شیشہ کیسا ہے۔ سرکار دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بادیدہ تر ارشاد فرمایا کہ آج صبح سے حسین اور ان کے رفقا کا خون جمع کر رہا ہوں اس شیشہ میں حسین اور ان کے رفقا کا خون ہے۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ میں یہ بات سن کر چونک پڑا۔ جب شہادت امام کی خبر آئی اور میں نے خواب کے وقت پر غور کیا تو میرے خواب دیکھنے اور شہادت امام کا وقت ایک ہی تھا۔

خون سے بھرے برتن

نعزیہ ازمیہ کہتی ہیں کہ جس دن امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ میدانِ کربلا میں شہید ہوئے اسکے دوسرے روز ہم لوگ صبح کو اٹھے تو تمام برتن خون سے بھرے ہوئے تھے۔

دن کو تارے نظر آئے

بعد شہادت آسمان اتنا تاریک ہو گیا تھا کہ دن کو تارے دکھائی دیئے۔ ایک روایت میں ہے کہ سات دن تک آسمان اس قدر تاریک رہا کہ دیواریں ایسی معلوم ہوتی تھیں گویا شہاب میں رنگی ہوئی ہیں اور ستارے آپس میں ایک دوسرے سے ٹکراتے ہوئے نظر آتے تھے۔

آسمان سے خون برسا

ابو سعید فرماتے ہیں کہ دنیا بھر میں جہاں بھی جو پتھر اٹھایا گیا اس کے نیچے سے تازہ خون نکلا۔ آسمان سے خون برسا۔ خراساں، شام کوفہ وغیرہ میں ہر گھر کے درو دیوار پر خون ہی خون نظر آتا تھا۔ جن کے کپڑوں پر یہ خون پڑ گیا تھا ان کپڑوں کا ایک ایک تار علیحدہ ہو گیا مگر خون کا دھبہ نہیں گیا۔

شفق کی سُرخی

علماء فرماتے ہیں کہ شفق کے ساتھ جو تیز سُرخی دیکھی جاتی ہے یہ شہادت امام سے پہلے نہ تھی بعد شہادت چھ مہینہ تک آسمان کے کنارے سُرخ رہے۔ پھر یہ سُرخی ظاہر ہوئی۔

برکت والا درخت

حضرت ام معبد کی بہن کی صاحبزادی حضرت ہند کا بیان ہے۔ ایک مرتبہ اللہ کے پیارے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میرے خیمہ میں تشریف لائے کچھ دیر آرام فرمانے کے بعد جب بیدار ہوئے تو پانی طلب فرمایا اپنے دونوں ہاتھوں کو دھویا اور کلی فرمائی، خیمہ کے باہر جھاڑیوں میں جہاں پر حضور نے کلی کا پانی ڈالا تھا صبح ہم نے دیکھا تو وہاں پر ایک عجیب قسم کا درخت پیدا ہو گیا

ہے جس میں بڑے بڑے پھل لگے ہوئے ہیں، جن میں عنبر کی جیسی خوشبو اور شہد جیسی مٹھاس ہے۔ ان پھلوں میں یہ خاصیت تھی کہ اگر بھوکا کھائے تو سیر ہو جائے، پیاسا کھائے سیراب ہو جائے بیمار کھائے شفایاب ہو جائے اور کوئی اونٹ یا بھیڑ یا بکری وغیرہ اس کا پتّہ کھائے تو اس کا دُودھ زیادہ ہو جائے۔ ہم نے اس کا نام شجرۂ مبارکہ (برکت والا درخت) رکھا تھا۔ اطراف وجوانب سے کثیر تعداد میں لوگ آتے تھے اور اس سے فیض حاصل کرتے تھے۔ اچانک ایک صبح کو ہم نے دیکھا کہ اس درخت کے تمام پھل گر گئے ہیں اور پتّے سوکھے ہوئے ہیں ہم لوگ بہت پریشان ہوئے کہ ایسا کیوں ہوا اتنے میں اطلاع ملی کہ اللہ کے پیارے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا ہے۔ پھر چند دنوں کے بعد درخت میں نئے پتّے آ گئے پھل بھی لگے مگر کم۔ اس واقعہ کے تقریباً تیس برس بعد ایک صبح کو پھر ہم نے دیکھا اس درخت میں تنے سے لیکر اوپر کی شاخ تک کانٹے پیدا ہو گئے اور پھل گر گئے ہیں۔ ہم لوگ سخت تشویش میں مبتلا ہو گئے کہ ضرور کوئی حادثہ پیش آیا ہے یہاں تک کہ اطلاع ملی کہ حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم نے شہادت پائی ہے۔ اس کے بعد اس درخت میں پھل نہیں لگے محض پتّے باقی رہ گئے ہم لوگ انھیں پتوں سے ہی فیض حاصل کرتے رہے۔ کچھ دنوں کے بعد ایک صبح کو ہم نے یہ دیکھا کہ اس مبارک درخت کے تنے سے تازہ خون جاری ہے۔ پتّے سوکھ کر گر گئے ہم لوگوں نے گمان کیا کہ شاید پھر کوئی بڑا حادثہ

رونما ہوا ہے۔ دن اسی وحشت اور پریشانی کے عالم میں گذرا، رات کے وقت اس درخت سے رونے کی آواز آئی جس سے ہم لوگوں کی وحشت اور بڑھ گئی یہاں تک کہ دوسرے دن اطلاع ملی کہ سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور آپ کے اہلبیت اور دوسرے ساتھیوں کو تین دن کی بھوک و پیاس کے عالم میں میدانِ کربلا میں یزیدیوں نے شہید کر دیا۔ پھر وہ درخت کبھی شاداب نہیں ہوا۔

سفید کبوتر

جس وقت سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے شہادت پائی، ایک سفید کبوتر اڑتا ہوا آیا اور اپنے پر و بال کو امام عالی مقام کے خون میں تر کیا اور اڑ گیا۔ حتیٰ کہ یہ کبوتر اُڑتا ہوا مدینہ طیبہ پہونچا۔ طواف کے سے انداز میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے روضۂ پاک کے گرد اڑتا تھا اور اس کے پروں سے خون کے قطرات ٹپک رہے تھے۔ اہل مدینہ اس کی یہ کیفیت دیکھ کر حیران تھے کہ معاملہ کیا ہے اور جب چند دنوں کے بعد انھیں امام عالی مقام کی شہادت کی خبر ملی تو انھوں نے سمجھا کہ سب سے پہلے ظاہری طور پر امام عالی مقام کی شہادت کی خبر بارگاہِ رسول تک پہونچانے کیلئے یہ کبوتر حاضر ہوا ہے۔

بزرگوں نے ارشاد فرمایا کہ سُرخ رنگ کے جو کبوتر پائے جاتے ہیں وہ اسی کبوتر کی نسل سے ہیں۔

عجیب پرندہ

کنز الغرائب کے حوالے سے صاحب روضۃ الشہداً لکھتے ہیں۔ ایک یہودی تھا اس کی لڑکی ظاہری شکل وصورت میں بہت اچھی تھی لیکن اچانک وہ نابینا ہوگئی اور ہاتھوں وپیروں میں کوڑھ کا مرض ہوگیا، محلہ وپڑوس کے لوگ اس لڑکی کو شدید نفرت کی نگاہ سے دیکھتے تھے، یہاں تک کہ یہودی اپنی لڑکی کو لیکر شہر سے باہر اپنے ایک باغ میں مقیم ہوگیا۔ دن بھر شہر میں کاروبار کرتا شام کو باغ میں لڑکی کے پاس آجاتا۔ ایک دن اتفاق ایسا ہوا کہ یہودی کاروبار میں اتنا مصروف ہوا کہ شام کو باغ میں واپس نہ آسکا۔ لڑکی نے تنہا ایک درخت کے نیچے رات گذاری، صبح کے وقت لڑکی نے قریب ہی دوسرے درخت پر ایک پرندے کے گریہ وزاری کی دردناک آواز سنی تاب ضبط نہ رہی کسی طرح گھسٹتی ہوئی اس درخت کے نیچے پہونچی۔ اگرچہ نابینا تھی لیکن اپنے سر کو اوپر کی جانب اٹھاکر رونے والے پرند کی جانب متوجہ ہوگئی اچانک اس پرندے کے پر سے خون کا ایک گرم قطرہ اس کی داہنی آنکھ میں ٹپکا اس کی وہ آنکھ روشن ہوگئی پھر خون کا ایک قطرہ اس کے داہنے ہاتھ پر ٹپکا وہ ہاتھ درست ہوگیا۔ لڑکی نے یہ کیفیت دیکھ کر بایاں ہاتھ پھیلا دیا اس پر بھی ایک قطرہ ٹپکا وہ ہاتھ بھی درست ہوگیا۔ اس قطرۂ خون کو لڑکی نے اپنی بائیں آنکھ پر مل لیا وہ آنکھ بھی روشن ہوگئی۔ اس کے بعد لڑکی نے چند قطروں کو اپنے ہاتھوں پر لیکر پورے بدن پر مل لیا جس سے

وہ پورے طور پر صحت یاب ہوگئی گویا کوئی مرض تھا ہی نہیں۔ اب لڑکی اٹھی اور اپنے باپ کی تلاش میں باغ کے گرد گھومنے لگی اتنے میں وہ یہودی بھی آگیا لیکن اپنی لڑکی کو پہچان نہ سکا۔ اجنبی عورت سمجھ کر پوچھنے لگا اے عورت تو کون ہے میں اس باغ میں اپنی ایک اپاہج لڑکی کو چھوڑ گیا تھا تجھے کچھ اس کا حال معلوم ہے وہ کہاں گئی کیونکہ باغ میں اسے میں جہاں چھوڑ کر گیا تھا وہاں وہ نظر نہیں آرہی ہے۔ لڑکی نے کہا کہ اے باپ تو نے مجھے نہیں پہچانا میں ہی تیری وہ اپاہج لڑکی ہوں جسے تو باغ میں چھوڑ کر گیا تھا۔ یہودی انتہائی خوشی میں بے ہوش ہوگیا کچھ دیر کے بعد جب اسے ہوش آیا تو لڑکی نے سارا واقعہ بیان کیا اور یہودی کو اس درخت کے نیچے لے آئی جس پر وہ پرندہ ابھی تک بیٹھا ہوا گریہ وزاری کر رہا تھا۔ یہودی نے اس پرند کی جانب مخاطب ہوکر کہا کہ اے مبارک پرندے تیرے گریہ وزاری کا سبب کیا ہے اور تیرے پروں سے ٹپکنے والے یہ خون کے قطرے کیسے ہیں جن سے ایسی برکات کا ظہور ہوا ہے۔ اللہ عزوجل نے اس پرند کو قوت گویائی عطا فرمائی اس نے بحکم الٰہی کلام کیا کہ اے یہودی ہم پرندوں کی ایک جماعت فلاں جنگل میں رہتی تھی، ہمارا معمول تھا کہ صبح اپنے گھونسلوں سے اڑ کر اطراف وجوانب میں چلے جاتے اور دانہ پانی حاصل کرنے کے بعد دوپہر تک اپنے گھونسلوں میں واپس آجاتے اور جس نے جو کچھ کھایا پیا ہوتا آپس میں ایک دوسرے کو خبر دیتے۔ اچانک ایک دن ہم نے ایک ندا سنی کہ نواسۂ رسول

امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تپتی ہوئی دوپہر میں کربلا کی سرزمین پر شہادت کا جام نوش کیا ہے اور اے پرندو تم درختوں کے سائے میں بیٹھ کر آرام کر رہے ہو یہ ندا سن کر ہم تمام پرندے کربلا کی سرزمین کی جانب روانہ ہو گئے جس وقت ہم وہاں پہونچے تو دیکھا کر جگر گوشۂ رسول سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ شہید ہو چکے ہیں اور ان کے جسم شریف سے ابھی تک تازہ خون جاری ہے۔ یہ کیفیت دیکھ کر تمام پرندے گریہ و زاری میں مشغول ہو گئے۔ مجھ میں تاب ضبط نہ رہی میں نے اپنے آپ کو آپ کے بہنے والے خون شریف میں گرا دیا اپنے چہرے اور اپنے بال و پر کو آپ کے مبارک خون میں تر کیا اور وہاں سے اڑ کر میں یہاں آگیا ہوں۔ یہ اسی خون شریف کے پاکیزہ قطرات ہیں جو میرے پروں سے ٹپک رہے ہیں اور اس خون شریف کے مبارک قطرات جہاں بھی ٹپکتے ہیں وہاں خیر و برکت کا ظہور ہوتا ہے۔

پرندے کی زبان سے یہ گفتگو سن کر یہودی نے کہا اگر امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نانا جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حق پر نہ ہوتے تو ان کے نواسے امام حسین کے خونِ پاک کے قطروں سے ایسی خیرات و برکات کا ظہور نہ ہوتا اور میری اپاہج لڑکی کو شفا نہ ملتی۔ چنانچہ یہودی اپنے پورے گھر کے ساتھ مشرف با سلام ہو گیا اور جب کبھی بھی کوئی اس کے اسلام لانے کی وجہ پوچھتا تو اس واقعہ کو بہت تفصیل سے بیان کرتا۔

دعبل خزاعی

دعبل خزاعی کے لڑکے کا بیان ہے کہ انتقال کے وقت میرے باپ کا چہرہ سیاہ ہو گیا، میں نے انتہائی راز داری کے ساتھ بغیر کسی کو اطلاع دیئے اسے دفن کر دیا۔ لیکن اپنے باپ کی یہ کیفیت دیکھ کر میں بہت رنجیدہ اور ملول رہتا تھا۔ ایک رات میں نے خواب میں دیکھا کہ میرے باپ کی شکل بہت ہی نورانی ہو گئی ہے اور عمدہ سفید نورانی لباس پہنے ہوئے ہے۔ میں نے پوچھا کہ اے باپ اللہ رب العزت نے تیرے ساتھ کیا معاملہ کیا۔ جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے بخش دیا ہے۔ میں نے کہا کہ لیکن مرتے وقت تو تیرا چہرہ سیاہ اور زبان گنگ ہو گئی تھی میرے باپ نے جواب دیا کہ شراب پینے کی وجہ سے مرتے وقت میرا چہرہ سیاہ ہو گیا تھا اور زبان گنگ ہو گئی تھی اور میں قبر میں اسی حالت میں تھا کہ دیکھا اللہ کے پیارے حبیب جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف لائے اور مجھے دیکھ کر فرمایا کہ تو دعبل ہے میں نے ادب سے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں دعبل ہی ہوں۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے جگر گوشہ حسین و دیگر شہدائے کربلا کی شہادت کے متعلق تو نے جو اشعار کہے ہیں مجھے اپنی زبان سے سنا۔ سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اتنا فرمانا تھا کہ میری زبان کو گویائی مل گئی اور جو اشعار میں نے شہدائے کربلا سے متعلق کہے تھے انھیں سرکار کو سنایا۔ اللہ کے پیارے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان اشعار کو سن کر آبدیدہ ہو گئے اور

فرمایا کہ تو نے سچ کہا، پھر میری بخشش کی دعا کی جس سے میرا چہرہ روشن ہو گیا اور اپنا لباس مبارک مجھے عطا فرمایا جسے میں اس وقت پہنے ہوا ہوں۔

جنوں کا نوحہ

قبیلہ بنی طے کے ایک شخص کا بیان ہے کہ میں نے جنوں کو نوحہ کرتے ہوئے اور یہ کہتے ہوئے سُنا۔

مسح الرسول جبینهٗ فلهٗ بریق فی الخدود

ابواہ من علیا وجدهٗ خیر الجدود

ترجمہ:۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کی پیشانی پر بوسہ دیا جس کے رخسار تاباں و درخشاں۔ ان کے آباؤ اجداد اعلیٰ و اخیر خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔

جب مدینہ منورہ میں بعض بدبختوں نے خطبہ دیتے ہوئے حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت پر خوشی کا اظہار کیا تو اس شب مدینہ منورہ میں مندرجہ ذیل اشعار سنائی دینے لگے، لیکن انکا پڑھنے والا نظر نہیں آتا تھا۔

ایها القاتلون جہلاحسینا

ابشروا بالعذاب والتنکیل

کل من فی السمآید عوا علیکم

من نبی وملاك وقبیل

قد لعنتم علی لسان ابن داود

و عیسےٰ صاحب الانجیل

اے امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جہالت سے قتل کرنیوالو تمہیں سخت رسوا کن عذاب کی خوش خبری ہو۔

آسمان میں جتنی بھی مخلوق ہے خواہ وہ انبیا ہوں یا ملائکہ سب تم پر ہلاکت کی دعا کرتے ہیں۔

تم پر لعنت بزبان سلیمان ابن داؤد اور عیسیٰ علیہ السلام جو صاحب انجیل ہیں۔

کربلا سے کوفہ تک

کربلا سے روانگی

ابن سعد گلشنِ فاطمی کو تاراج کرنے کے بعد بارہ۱۲ محرم الحرام تک میدان کربلا میں ٹھہرا رہا۔ اپنے لشکر کے مقتول جہنمیوں کی لاشوں کو جمع کر کے نمازِ جنازہ پڑھی اور کفن ودفن کی رسم اطمینان سے ادا کی۔ لیکن اس شقی ازلی کو یہ توفیق نہ ہوئی کہ لاشہائے شہدا کے کفن ودفن کا بھی انتظام کرتا۔ اور یہ توفیق اسے نصیب بھی کیسے ہوتی جب کہ شقاوت اس کیلئے مقدر ہو چکی تھی۔ نیز خدائے قدیر کو یہ گوارہ نہ ہوا کہ میری راہ میں شہید ہوئے میرے ان محبوب بندوں پر یزیدیوں کا کوئی احسان رہے۔ لہٰذا ابن سعد یا کسی بھی یزیدی کو اس بات کا خیال تک نہ آیا۔

بعض روایتوں سے اس بات کی شہادت ملتی ہے کہ یزیدیوں کے چلے جانے کے بعد نہر فرات کے کنارے آباد غاضریہ نامی ایک گاؤں کے لوگ آئے اور بڑے اعزاز واکرام کے ساتھ لاشہائے شہدا کے کفن ودفن کی رسم ادا کی۔

یزیدیوں نے شہدائے کرام کے سروں کو آپس میں بانٹ لیا۔ ۱۲ سر قبیلہ ہوازن کو دیئے گئے۔ ۱۳ ابن اشعث کو چودہ بنی تمیم کو باقی سر

دوسرے مختلف قبیلہ والوں نے لئے۔ سر امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ خولی بن یزید کو دیا گیا ——— خولی بن یزید لشکر کی روانگی سے پہلے ہی جانب کوفہ چل پڑا۔

تیرھویں محرم الحرام کی صبح کو یزیدی لشکر لٹے ہوئے قافلہ حسینی کو اپنی حراست میں لے کر کوفہ کی جانب روانہ ہوتا ہے۔ نیزوں پر شہدا کے سر ہیں۔ اہلبیت کی عفت مآب خواتین کو کہ جن کے سروں سے بے غیرت اور بے حیا یزیدیوں نے دوپٹہ تک چھین لیا ہے۔ بے پردہ وبے حجاب اونٹوں پر بغیر محمل وکجاوہ بٹھا دیا ہے۔

حضرت عابد بیمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ جنھیں بیماری کی شدت نے حد درجہ نحیف وناتواں کر دیا ہے، یزیدیوں نے پیروں میں بیڑی ہاتھوں میں ہتھکڑی پہنا کر حرم محمدی کے اونٹوں کی نکیل آپ کے دستِ اقدس میں دیدی ہے۔ ان یزیدی ظالموں سے اتنا بھی تو نہ ہو سکا کہ جگر گوشہ رسول کیلئے بھی سواری کا انتظام کر دیتے۔ اور انتظام کرتے بھی کیسے انھیں تو ظلم وستم کے ایک ایک حربے کو آلِ رسول پر آزما کر اپنی ظالمانہ فطرت کی پیاس بجھانی تھی۔

امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لاڈلے چہیتے فرزند پا پیادہ اونٹوں کی مہار پکڑے چل رہے ہیں۔ جس وقت اہلبیت کا مظلوم قافلہ مقتلِ شہدا سے گزرا تو اضطراری طور پر ان کی چیخیں بلند ہو گئیں۔ یاس وحسرت

بھری ہوئی نگاہوں سے اس اندوہ ناک منظر کو دیکھتے ہوئے قافلہ آگے بڑھ گیا۔

گوشت خون بن گیا

دن بھر سفر کرنے کے بعد شام کو جب یزیدی اپنی پہلی منزل پر ٹھہرتے ہیں تو اہل بیت اطہار سے چھینا ہوا ایک اونٹ ذبح کیا لیکن جب کھانے بیٹھے تو سارا گوشت خون بن گیا اور اس سے آگ کے بھڑکتے ہوئے شعلے نکلنے لگے۔ ناچار کھجور کا شیرہ پی کر رات گزاری اور صبح پھر روانہ ہو گئے۔

غیبی ہاتھ

آج جب ان ظالم یزیدیوں نے دوسری منزل پر قیام کیا تو سامنے ہی ایک گرجا نظر آیا۔ لہٰذا جن نیزوں پر ظالم شہداء کے سروں کو اٹھائے ہوئے تھے انھیں بجائے زمین پر گاڑنے کے یا کسی دوسرے مقام پر رکھنے کے لے جا کر گرجے کی دیوار سے ٹکا کر کھڑا کر دیا۔ شہداء کرام کے سرہائے مقدسہ سے برابر خون کے قطرے ٹپک ٹپک کر ان کی حیاتِ جاوداں کا ثبوت پیش کر رہے تھے اچانک گرجے کی دیوار شق ہو گئی اور اس سے ایک ہاتھ نمودار ہوا جس میں لوہے کا قلم تھا۔ اس ہاتھ نے لوہے کے اس قلم کو شہداء کے خون میں ڈبو کر گرجے کی دیوار پر یہ شعر لکھا

اترجوا امۃ قتلت حسینا ❖ شفاعۃ جدہ یوم الحساب

(ترجمہ) کیا ہے قتل جنھوں نے حسین پیارے کو ❖ ہے کیا انہیں بھی امید شفاعت محشر میں

جب یزیدیوں نے اس شعر کو پڑھا اور اپنے بھیانک انجام پر غور کیا تو سراسیمہ ہو گئے۔ اور گھبرا کر یہاں سے بھی کوچ کر دیا۔ جب اپنی تیسری منزل پر پہونچے تو وہاں بھی ایک گرجا دیکھا اور یہ شعر اس کی دیوار پر پہلے ہی سے لکھا ہوا پایا۔ پادری کو بلا کر پوچھا کہ گرجے کی دیوار پر یہ شعر کس نے لکھا ہے۔ اور کب لکھا ہے۔ پادری نے جواب دیا کہ اس زمانہ کا لکھا ہوا نہیں ہے بلکہ میں اپنے آباو اجداد سے سنتا آیا ہوں کہ نبی آخر الزماں کی پیدائش سے پانچسو سال پہلے یہ شعر اس گرجے کی دیوار پر لکھا پایا گیا ہے۔ اور اس وقت سے لیکر آج تک ویسا ہی موجود ہے۔ لیکن تم لوگ یہ بتاؤ کہ تم کون ہو اور اس شعر کے متعلق کیوں دریافت کر رہے ہو۔ کوفیوں کے جواب دیا کہ کوئی خاص وجہ نہیں۔ پادری نے شہداء کے سروں کے متعلق پوچھا کہ یہ کن لوگوں کے سر ہیں جنھیں تم نے نیزوں پر چڑھا رکھا ہے۔ یزیدیوں نے جواب دیا کہ امیر المومنین یزید کے باغیوں کے سر ہیں۔ پادری نے جب بغور سرہائے شہداء کو دیکھا اور اسکی نگاہ امام عالی مقام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سر مبارک پر پڑی تو امام کے چہرۂ انور پر نگاہ جمی کی جمی رہ گئی۔ بیتابانہ پوچھا کہ یہ کس کا سر ہے۔ یزیدیوں نے جواب دیا کہ علی شیرِ خدا کے چہیتے فرزند۔ یہ سن کر پادری نے کہا وہی علی مرتضیٰ نا جو تمہارے نبی آخر الزماں (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کے داماد ہیں۔ یزیدیوں نے کہا ہاں وہی [illegible] پادری نے بے ساختہ کہا کہ ارے ظالمو تو صاف کیوں نہیں کہتے کہ یہ تمہارے نبی محترم کے نواسے کا سر ہے۔ کیا الفاظ کے ہیر پھیر سے تم

اپنے جرم کو چھپا سکو گے ! نہیں اور کبھی نہیں ۔ یاد رکھو منتقم حقیقی کا انتقام بہت سخت ہے ۔ خیر تم نے جو بھی کیا اس کا انجام تمہیں آج نہیں تو کل بھگتنا ہی پڑے گا ۔ آج تو تم بہر حال یہاں ٹھہرو گے اگر مناسب سمجھو تو دس ہزار درہم کے عوض رات بھر کیلئے یہ سر مبارک مجھے دیدو صبح مجھ سے واپس لے لینا ۔

پادری کا مسلمان ہونا

دنیا کے کتّے یزیدی دسؔ ہزار درہم کی پیش کش کو ٹھکرا نہ سکے اور ٹھکراتے بھی کیسے جب کہ اسی دنیاوی مال و زر کی لالچ میں اپنے دین و عاقبت کو تباہ و برباد کر چکے تھے ۔ فوراً راضی ہو گئے اور رات بھر کیلئے امام عالی مقام کا سر اقدس اس پادری کے حوالے کر دیا ۔ پادری نے امام کے سر پاک کو لے کر گلاب و کیوڑے سے دھویا اور ایک صندلی چوکی پر مشک و عنبر سے بسا ہوا مخملی غلاف چڑھا کر سر مبارک کو رکھ دیا ۔ اور رات بھر مؤدب ہاتھ باندھے ہوئے سامنے کھڑا یہ پُر کیف منظر دیکھتا رہا کہ سر اقدس سے ایک نور نکل کر آسمان کی جانب بلند ہوتا ہے ۔ جس سے زمین تا آسمان ساری فضا منور ہو جاتی ہے ۔ صبح تک انوار و تجلیات کا مشاہدہ کر کے بے ساختہ پکار اٹھا کہ اے ابن رسول آپ مرے نہیں بلکہ زندہ ہیں اور اس بات پر گواہ رہیئے کہ میں پڑھتا ہوں ــــــ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدً عبدہٗ وحدہٗ رسول اللہ ۔

سرِ امام کی یہ زندہ کرامت نہیں تو اور کیا ہے کہ جس راہ سے گذر ہو رہا ہے

ایمان و اسلام کی دولت بانٹتا جا رہا ہے ۔ غیر مسلم حلقہ بگوش اسلام بنتے جا رہے ہیں ۔ لیکن اسلام و ایمان کے دعویدار ایسے بد قسمت کہ ناپاک دنیا کی حرص و ہوس میں دین و ایمان کی دولت بے بہا تک لٹا بیٹھے ۔

درہم خاک ہو گئے

صبح کو کوفیوں نے اس نو مسلم سے دسؔ ہزار درہم لئے اور سر اقدس کو لیکر کوچ کر دیا جب راستے میں ان درہموں کو آپس میں بانٹنا چاہا تو عالم یہ تھا کہ چند درہموں کے علاوہ باقی سب خاک ہو چکے تھے اور ان بچے ہوئے درہموں میں ایک طرف تو یہ آیت کریمہ منقش تھی ۔

ولا تحسبن اللہ غافلاً عما یعمل الظالمون	ظلم کرنے والوں کے ظلم سے اللہ کو بے خبر نہ سمجھو ۔

اور دوسری طرف یہ آیتِ کریمہ تحریر تھی ۔

وسیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون	یعنی وہ وقت قریب ہے کہ ظالموں پر کیسی کیسی مصیبتیں پڑیں ۔

خولی اور اس کی بیوی

جس راہ سے یہ بد نہاد کوفی سفر کر رہے تھے اسی راہ میں خولی بن یزید کا گھر تھا ۔ جب خولی بن یزید اپنے مکان میں پہونچا تو ایک رات کیلئے اپنے مکان میں ٹھہر گیا ۔ امام عالی مقام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سر مبارک کو لیجا کر گھر کے تنور میں رکھ دیا اور اپنی بیوی کے پوچھنے پر جواب دیا کہ ایک شخص

یزید کا مخالف ہوگیا تھا اسی کے مقابلہ کیلئے گیا تھا یہ اسی کا سر ہے۔ خولی کی بیوی ایک عابدہ و صالحہ خاتون تھیں۔ رات کو تہجد کیلئے اٹھیں تو دیکھا کہ تنور سے تیز قسم کی روشنی نکل رہی ہے۔ سوچنے لگیں کہ تنور میں آگ کی ایک چنگاری بھی نہ تھی پھر یہ روشنی کہاں سے آئی۔ ابھی حیرت و تعجب کی یہ کیفیت ختم بھی نہ ہوئی تھی کہ دیکھا چند مقدس بیبیاں آئیں اور تنور سے ایک سر نکالا۔ خولی کی بیوی نے غور سے دیکھا تو وہ نورانی شعائیں اسی سر انور سے نکل رہی تھیں۔ ان آنیوالی مقدس خواتین نے سر پاک کو مشک و گلاب سے غسل دیا اور بڑی شفقت و محبت کیساتھ ایک خاتون محترم نے سر کو اپنے سینہ سے لگالیا اور آنکھوں سے آنسوؤں کی دھار پھوٹ پڑی اسکے بعد فرمایا اے میرے لختِ جگر اے میرے شہید مظلوم۔ حق تعالیٰ بروز محشر تیرے خونِ ناحق کا انصاف فرمائے گا۔ اور میرے ہاتھوں سے اس وقت تک عرش رب کا کنگرہ نہ چھوٹے گا جب تک میں تیرا پورا پورا خون بہا نہ لے لوں گی۔ کچھ دیر کے بعد وہ محترم خواتین سر مبارک کو تنور میں رکھ کر واپس چلی گئیں اور سر مبارک کی وہ نورانی شعائیں بھی ختم ہوگئیں۔

یہ منظر دیکھنے کے بعد خولی کی بیوی فوراً اٹھیں اور تنور سے سر انور کو باہر نکال کر غور سے دیکھنے لگیں چونکہ بارہا امام عالی مقام کی زیارت کا شرف حاصل کر چکی تھیں پہچان لیا کہ یہ تو جگر گوشۂ فاطمہ زہرا کا سر مبارک ہے۔ ایک چیخ ماری اور بیہوش ہوکر گر پڑیں اور بیہوشی کے عالم میں دیکھتی کیا ہیں

کہ چند بزرگ تشریف لائے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اے عفیفہ ہراساں نہ ہو۔ جرم تیرے شوہر نے کیا ہے باز پرس اس سے ہوگی۔ تو اس سے بری ہے۔ خولی کی بیوی نے پوچھا کہ ابھی جو خواتین محترم آئی تھیں وہ کون ہیں۔ جواب ملا کہ باری باری سر کو سینہ سے لگانے والی سیدہ فاطمہ اور حضرت خدیجۃ الکبریٰ تھیں اور زار و قطار رونے والیں حضرت صدیقہ اور حضرت مریم بنت عمران تھیں۔ اس کے بعد ہی فوراً خولی کی بیوی کو ہوش آگیا۔ سر اقدس کو انتہائی تعظیم و تکریم سے ایک بلند مقام پر رکھ کر اپنے شوہر کو جگایا۔ اور کہا کہ اے سیاہ بخت تو نے تو کہا تھا کہ یزید کے ایک باغی کے مقابلہ کیلئے گیا تھا یہ اسی کا سر ہے۔ صاف کیوں نہ کہدیا کہ اپنی شقاوت ازلی کی وجہ سے جگر گوشۂ رسول کے مقابل میں گیا تھا اور یہ انھیں کا سر ہے۔ کان کھول کر سن لے کہ تجھ سے اب میرا کوئی واسطہ نہیں۔ میں دنیا و آخرت دونوں جگہ تجھ سے بیزار ہوں۔ یہ کہہ کر چادر اوڑھی اور گھر سے باہر نکل گئیں۔ اور پھر کسی کو یہ نہ معلوم ہوسکا کہ وہ کہاں گئیں۔

حسینی قافلہ کوفہ میں

غرضکہ مختلف منزلیں طے کرتا ہوا اہلبیت اطہار کے بارہ افراد کا لٹا ہوا قافلہ اشقیاء کوفہ کی حراست میں کوفہ پہونچ جاتا ہے۔ اہل کوفہ نے اپنے شہر کے کوچہ و بازار میں آنیوالے با وقار معزز مہمانوں کی الم انگیز مظلومیت کا نظارہ کن آنکھوں سے دیکھا اور کس دل سے برداشت کیا یہ ایک دردناک داستان ہے۔

گورنر کوفہ ابن زیاد اپنے دار الامارۃ کو آراستہ کئے ہوئے پوری رعونت کے ساتھ صدر مجلس بنا بیٹھا ہے اہلبیت اطہار کو قیدیوں کی طرح بھرے دربار میں بلاتا ہے۔ میدان کربلا میں شمر، ابن سعد، خولی، سنان، ابن انس وغیرہ خاندان نبوت کی عزت و آبرو سے کھیل چکے تھے اور اب ابن زیاد کی باری تھی۔

امام عالیمقام کا سر مبارک ابن زیاد کے سامنے رکھا ہوا ہے۔ ظالم انتہائی خوشی کے عالم میں کہتا ہے کہ خدا کا شکر ہے کہ ہم نے دشمنوں پر فتح پائی۔ ہمارے دشمنوں پر اللہ نے سختی ڈالی باطل مٹ گیا اور حق غالب رہا۔

حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا ابن زیاد کی یادہ گوئی کی تاب نہ لاسکیں اور برجستہ فرمایا۔

الحمد للہ الذی کرمنا بمحمد وطھرنا تطھیرا	تمام تعریفیں اللہ جل مجدہ کیلئے جس نے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ذریعہ ہمیں معزز و مکرم کیا اور ہماری خوب تطہیر فرمائی۔

بے حیا ابن زیاد نے پھر اہلبیت اطہار کو مخاطب کیا اور کمال بے شرمی سے کہا۔

کیف رأیتم قدرۃ اللہ	تم نے اللہ تبارک وتعالیٰ کی قدرت دیکھی۔

حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے جواب دیا۔

سیجمع اللہ بیننا وبینکم ولیفصل بیننا وبینکم	عنقریب اللہ تعالیٰ ہم کو اور تم جمع کرکے انصاف فرمائے گا۔

ساتھ ہی ساتھ ابن زیاد کی فضول بکواس پر حضرت امام زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جذبہ صدق گوئی بھی ابھر آیا۔ آپ نے ظالم کو مخاطب کر کے فرمایا کہ او ابن مرجانہ کیا تیرا دل اور تیرا ضمیر بھی تیرے اس جھوٹے قول کی تصدیق کر رہا ہے کہ (معاذ اللہ) حسین باطل پرست تھے اور یزید

حق پرست۔ کیا شرم و غیرت نام کی کوئی چیز بھی تیرے پاس باقی نہیں رہی۔ افسوس تیری تیرگی عقل پر کہ وہ حسین جو وفادار خدا و رسول ہیں ان کو باطل پرست کہے اور اس یزید کو جو خدا و رسول کا باغی ہے حق پرست کہے۔ ابن زیاد اس راست گوئی کی تلخی کو برداشت نہ کر سکا برافروختہ ہو کر پوچھا یہ کون ہے؟ کسی نے کہا یہ امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے شاہزادے ہیں۔ ابن زیاد نے سفاکانہ لہجے میں کہا کہ میں خاندان حسین میں کسی مرد کو زندہ نہیں دیکھنا چاہتا۔ انہیں بھی لے جاکر قتل کر دو۔ کوتوال شہر اس نیت سے آگے بڑھا کہ حضرت امام زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قلعہ کے باہر لیجا کر شہید کر دے کہ اتنے میں حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا آگے بڑھیں اور لخت جگر امام حسین کو اپنی آغوش میں لیکر فرمایا کہ اے ابن زیاد! اگر زین العابدین کو قتل کرنا ہے تو پہلے ہم سب خواتین اہل بیت کو قتل کر دے کیوں کہ نسل فاطمہ سے یہی ایک لڑکا ہے جو ہمارا محرم ہے۔

نیز اسی مجمع میں عبد اللہ بن عفیف نامی ایک صحابی بھی موجود تھے، پکار اٹھے کہ اے ابن زیاد بجائے اس کے کہ اپنے کئے پر شرمندہ ہو خوشی و مسرت کا اظہار کر رہا ہے اور نسل حسین کی آخری شمع کو بھی گل کر دینا چاہتا ہے۔ خبردار امام زین العابدین کے قتل کا ارادہ نہ کرنا۔ ورنہ تیرا برا انجام اہل کوفہ ابھی اس بھرے مجمع میں دیکھیں گے۔ ابن زیاد جانتا تھا کہ عبد اللہ بن عفیف کا گروہ علاقہ شام میں بہت بڑا ہے لہٰذا خاموشی ہی میں عافیت

سمجھی۔

گستاخانہ جسارت

اب اس کے بعد ابن زیاد نے ایک چھڑی اٹھائی اور امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سر مبارک کی جانب دیکھ کر گستاخانہ انداز میں ہنستے ہوئے چھڑی سے لبہائے مبارک پر ضرب لگانے لگا اور چاہا کہ منھ کے اندر چھڑی داخل کر کے دندان مبارک کو شہید کر دے۔ حضرت زید ابن ارقم (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) ابن زیاد کی اس گستاخانہ جسارت کو دیکھ کر چیخ پڑے اور فرمایا اے خبیث ابن زیاد لبہائے امام سے فوراً اپنی ناپاک چھڑی ہٹالے رب کعبہ کی قسم میں نے بارہا حضور سرورِ کائنات کو ان پاک لبوں کو چومتے ہوئے دیکھا ہے۔

یہ سن کر ابن زیاد غصہ سے پاگل ہوگیا اور کہا تمہاری ضعیفی دیکھ کر رحم آتا ہے ورنہ ابھی گردن مار دیتا۔ حضرت زید ابن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا جب تجھے آل رسول پر رحم نہ آیا تو مجھ پر کیا رحم کرے گا۔ اور اے ابن زیاد ایک غصہ دلانے والی بات اور بھی سن لے۔ میں نے بارہا حضور کو دیکھا ہے کہ ایک زانو پر حضرت امام حسن اور دوسرے زانو پر سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو بٹھائے دونوں شہزادوں کے سروں پر اپنا دست اقدس پھیرتے جا رہے ہیں اور ارشاد فرماتے جا رہے ہیں کہ یا الٰہی میں نے تیرے پاس اور تیرے مومنین صالحین کے پاس یہ دونوں امانتیں سپرد کر دی ہیں۔ تو اے ابن زیاد تو نے امانت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

کے ساتھ جو بُرا سلوک کیا اور اے ابن زیاد کے ساتھیو! تم نے فاطمہ زہرا کے چہیتے فرزند حسین کو قتل کیا اور ابن زیاد جیسے ظالم کو اپنا سردار بنایا اللہ تعالیٰ تم سے کبھی راضی نہ ہو۔

ابن زیاد ان سچی باتوں سے چراغ پا ہوگیا اور جب کوئی تدبیر نہ سوجھی تو خفت مٹانے کیلئے ممبر پر چڑھ گیا۔ اور کہنے لگا اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ جس نے حق کو ظاہر کیا اور امیر المومنین یزید اور ان کی فوج کو فتح و کامرانی سے نوازا اور کاذب ابن کاذب کو قتل کیا (العیاذ باللہ) حضرت عبداللہ بن عفیف موجود تھے فوراً بول اٹھے۔ اے ابن زیاد تو جھوٹا تیرا باپ جھوٹا اور تیرا امیر المومنین یزید جھوٹا۔ تف ہے تیرے اوپر کہ صدیقین وصالحین کی جگہ پر کھڑا ہوا جھوٹی بکواس کر رہا ہے اور شرم بھی نہیں آتی۔

آخر ابن زیاد سے نہ رہا گیا۔ ان کے قتل کا حکم دے دیا۔ لیکن اسوقت تو حضرت عبداللہ بن عفیف کی قوم نے انہیں کسی صورت سے بچا لیا مگر رات میں ابن زیاد کے آدمیوں نے انھیں شہید کر دیا۔

ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ جب سرہائے شہداء کوفہ کے دارالامارۃ میں لائے گئے تو میں نے دیکھا لبہائے امام جنبش میں ہیں۔ میں نے اپنے کانوں کو ان سے قریب کر دیا تو صاف صاف سنا کہ آپ یہ آیت کریمہ تلاوت فرما رہے ہیں

ولا تحسبن اللہ غافلا عما یعمل الظالمون ۔ اللہ تعالیٰ کو ظالموں کے ظلم سے غافل نہ جانو۔

خون کا ایک قطرہ ٹپکا

اس کے بعد ابن زیاد امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سرِ اقدس کو اٹھایا اور غور سے دیکھنے لگا مگر اس کا ہاتھ لرزنے لگا۔ گھبرا کر سرِ اقدس کو اپنی ران پر رکھ لیا اسی وقت سرِ مبارک سے خون کا ایک قطرہ ٹپکا اور مثل تیزاب کے ابن زیاد کی قبا اور ران میں سوراخ کرتا ہوا تخت پر پہونچا تخت کو پار کر کے زمین پر گرا اور غائب ہو گیا۔

یہ زخم ابن زیاد کی ران میں ناسور بن کر زندگی بھر رہا اور اس سے اتنی بدبو آتی تھی کہ باوجود نافہ مشکی باندھنے کے لوگ اس کے قریب بیٹھتے ہوئے نفرت محسوس کرتے تھے۔ اور زیادہ دیر بیٹھ نہ سکتے تھے۔ جس دن ابن زیاد مارا گیا تو اسی کی بدبو دار علامت کے ذریعہ حضرت ابراہیم ابن مالک ابن اشتر نے اس کو پہچانا تھا۔

اتنے ظلم وستم کے باوجود بھی جب ظالم ابن زیاد اپنے سینے میں آتش ظلم کو اور بھڑکتے پایا تو حکم دیا کہ تین دن تک سرِ امام ہمام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دروازۂ کوفہ پر لٹکایا جائے۔ چنانچہ کوفیوں نے تین دن تک سرِ امام کو دروازۂ کوفہ پر لٹکائے رکھا۔

کوفہ سے دمشق تک

اب تیسرے دن شمر ذی الجوشن کی سرکردگی میں دس ہزار سواروں کی زیر نگرانی مظلوم حسینی قافلہ کوفہ سے جانبِ دمشق روانہ ہوتا ہے۔ کیفیت یہ ہے کہ کوئی سر امام عالیمقام کو نیزہ پر لٹکائے اہل بیت کی معزز خواتین کو بے پردہ قیدیوں کی طرح کوفہ کے کوچہ و بازار میں گھماتے ہوئے اپنی بے حیائی اور اذیت کوشی کا شرمناک مظاہرہ کرتے ہوئے جا رہے ہیں آگے نیزہ پر امام مظلوم کا سر ہے اور پیچھے مظلومین اہل بیت کا قافلہ۔

حضرت زید ابن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب سید الشہداء سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سرِ مبارک میرے مکان کے قریب سے گذرا تو میں نے اپنے مکان کے دریچے سے صاف سنا کہ سرِ مبارک سے اس آیۃ کریمہ کی تلاوت کی آواز آرہی ہے۔

ام حسبت ان اصحاب الکہف والرقیم کانو من اٰیتنا عجبًا

کیا تم نے جان لیا کہ اصحاب کہف اور رقیم ہماری حیرت انگیز نشانیوں میں سے ہیں۔

حضرت زید ابن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں قسم بخدا میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے اور میرا تمام جسم لرزنے لگا میں نے کہا کہ اے نواسۂ رسول آپ کا حال تو اصحاب کہف سے کہیں زیادہ حیرت انگیز اور تعجب خیز ہے۔

اہلبیت اطہار کی عفت مآب خواتین اور امام حسین کے سر مبارک کو صرف کوفہ ہی کے کوچہ و بازار میں نہیں گھمایا گیا بلکہ جس گاؤں جس قصبہ اور جس شہر سے شمر کا گذر ہوا ہر جگہ اہلبیت اطہار اور سر مبارک کی تشہیر و تحقیر کراتا رہا اور اپنی کمینگی کا ثبوت دیتا رہا۔ منزلیں طے کرتا ہوا جب یہ قافلہ مقام حران پر پہونچا تو یحیٰی نامی ایک یہودی نے اپنے بالاخانہ سے شہداء کے سروں کو دیکھا اور جب سر امام پر اس کی نگاہ پڑی تو دیکھا کہ امام عالی مقام کے لب متحرک ہیں کان لگا کر سنا تو آپ قرآن پاک کی یہ آیتِ کریمہ تلاوت کر رہے ہیں۔

وسیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون	وہ وقت قریب ہیکہ ظالموں پر کیسی کیسی مصیبتیں پڑیں۔

یحیٰی حرانی کی حیرت کی انتہا نہ رہی فوراً پوچھا کہ سب سے آگے کس کا سر ہے۔ کوفیوں نے جواب دیا کہ سبط رسول امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سر ہے۔ یحیٰی کہنے لگا کتنے ذلیل ترین ہیں یہ لوگ کہ جس نبی کا کلمہ پڑھتے ہیں اسی نبی محترم کے نواسہ کو قتل کر کے ان کے اہل بیت کو گلی کوچہ میں پھرا کر کتنی توہین و تحقیر کر رہے ہیں اگر ان کے نانا حق پر نہ ہوتے تو ان کے نواسہ کے سر مبارک سے ایسی عظیم کرامت ظاہر نہ ہوتی میں سچے دل سے تصدیق کرتا ہوں اور پڑھتا ہوں۔ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ۔

یحیٰی حرانی کی جاں نثاری

کلمہ پڑھنے کے بعد یحیٰی حرانی کے دل میں محبت اہلبیت نے جوش

مارا۔ گوارا نہ ہوا کہ اہلبیت نبوت کی عفت مآب خواتین یوں بے پردہ و بے حجاب رہیں۔ اسی وقت کچھ چادریں اور کپڑے دس ہزار درہم کے ساتھ سیدنا امام زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں پیش کئے۔ بدبخت یزیدیوں نے دیکھا تو یحیٰی کو ڈانٹنے لگے کہ خبردار یہ امیر المومنین یزید کے قیدی ہیں انکے ساتھ ایسا باعظمت سلوک نہ کرو ورنہ تہ تیغ کر دیئے جاؤ گے کیوں کہ تمہارے اس برتاؤ سے محبت حسین اور عداوت یزید کی بو آرہی ہے۔ یحیٰی کی غیرت ایمانی یزیدیوں کی یہ توہین آمیز اور ایمان سوز گفتگو برداشت نہ کرسکی تلوار کھینچ لی اور کوفیوں پر حملہ کر دیا۔ پانچ کوفیوں کو قتل کرنے کے بعد عظمتِ اہلبیت پر اپنی جان عزیز نچھاور کر دی۔

مشہد نقطہ

حران سے چل کر کارواں اہلبیت جس وقت موصل کے قریب پہونچا تو کوفیوں نے امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سر مبارک کو ایک پتھر پر رکھ دیا۔ سر اقدس سے خون کا ایک قطرہ گرا اور پتھر پر جم گیا۔ یوں تو ہمیشہ وہ خشک رہا کرتا تھا لیکن محرم کے دنوں میں تازہ خون بن جاتا۔ اس وقت سے لیکر عبد الملک بن مروان کے زمانہ تک امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ کرامت برابر ظاہر ہوتی رہی اگرچہ اب وہ قطرۂ خون موجود نہیں کہیں پوشیدہ کر دیا گیا ہے لیکن مشہد نقطہ کے نام سے وہاں پر جو گنبد بنایا گیا ہے آج بھی زیارت گاہِ خلائق ہے۔

شمر نے چاہا کہ شہر موصل کے اندر قیام کرے لیکن موصل کے حاکم عماد الدولہ

اور باشندگان شہر نے اسے للکار دیا کہ ہمارے شہر میں ایسے ظالم و فاسق کے ٹھہرنے کی گنجائش نہیں جس کے دامن پر قتل اولادِ رسول کا داغ ہو۔

مجبوراً شمر کو وہاں سے کوچ کرنا پڑا اور شہر نصیبین میں قیام کا ارادہ کیا۔ حاکم شہر نصیبین منصور بن الیاس نے یزید کی چاپلوسی اور خوشامد میں شہر کو سجایا اور شہر سے جا کر شمر کا استقبال کیا۔ چاہا کہ شمر وغیرہ کو لا کر شہر میں ٹھہرائے لیکن غیرتِ حق کو جلال آ گیا یہ بات گوارہ نہ ہوئی کہ دشمنانِ اہل بیت کو سکون و اطمینان یا اعزاز و وقار نصیب ہو۔ ابھی شہدائے کرام کے سرہائے مبارکہ دروازۂ شہر پر ہی تھے کہ اس بدنصیب شہر پر قہرِ الٰہی کی زبردست بجلی گری جس نے آدھے سے زیادہ شہر کو جلا کر راکھ کر دیا۔ شمر تو اس باختہ ہو کر یہاں سے بھی چل پڑا اور حلب کے علاقہ میں پہاڑ پر معمورہ نامی ایک گاؤں آباد تھا وہیں پر پہاڑ کے دامن میں قیام کیا شہر معمورہ کے رئیس عزیز نے قافلہ کی آمد کی خبر پائی لیکن کوئی توجہ نہ کی۔ رات کو جب سویا تو خواب میں دیکھتا کیا ہے کہ حضرت موسیٰ کلیم اللہ و حضرت ہارون علیہ السلام تشریف فرما ہیں اور زار و قطار رو رہے ہیں۔ مؤدبانہ عرض کیا کہ اے اللہ کے کلیم اس اشکباری کا سبب کیا ہے۔ حضرت موسیٰ کلیم اللہ نے فرمایا۔ اے عزیز پیغمبر آخر الزماں کے لختِ جگر جناب امام حسین کو یزیدیوں نے میدانِ کربلا میں شہید کیا ہے۔ اس دامن کوہ میں وہی مظلوم حسینی قافلہ ٹھہرا ہوا ہے اس قافلہ کے ساتھ امام حسین کا سر مبارک اور ان کی رفاقت میں شہید ہونے والے دوسرے شہداء کے بھی سر ہیں تو جا اور نواسہ رسول کو ہمارا سلام

پہونچا۔ اس کے بدلے تجھے جناب امام کی نیک اور صالح کنیز شیریں سے نکاح کا شرف حاصل ہوگا۔

ضروری معلوم ہوتا ہے کہ آگے کے واقعات پیش کرنے سے پہلے حضرتِ شیریں کے متعلق ایک مختصر سی تشریح کر دی جائے تاکہ واقعات کو سمجھنے میں آسانی ہو۔

حضرتِ شیریں

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دورِ خلافت میں جس وقت ایران فتح ہوا تو مالِ غنیمت کے ساتھ شاہ ایران یزدجرد کی بلند اقبال صاحبزادی حضرت شہر بانو بھی مدینہ منورہ لائی گئیں۔ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کے خاندانی افتخار کا خیال رکھتے ہوئے فرمایا کہ تقاضائے انصاف یہ ہے کہ شاہزادی ایران کا شہزادۂ رسول امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے عقد کر دیا جائے تاکہ حضرت شہر بانو کے عظمت و وقار میں چار چاند لگ جائیں۔ جب حضرت شہر بانو کو زوجیت امام حسین آنے کا شرف حاصل ہوا تو اس خوشی میں اپنے ساتھ آنے والی سو کنیزوں میں سے پچاس کو آزاد فرما دیا اور جب حضرت امام زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ولادت باسعادت ہوئی تو اس نعمت کے ملنے پر اظہار تشکر و امتنان کرتے ہوئے چند اور کنیزوں کو آزاد فرما دیا۔ باقی بچنے والی کنیزوں میں سے حضرت شیریں بھی ایک تھیں ایک دن سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دوران گفتگو

میں جناب شیریں کے حسن و جمال کی تعریف کی تو حضرت شہر بانو کو خیال آیا کہ شاید امام عالی مقام شیریں کو زیادہ پسند فرماتے ہیں آپ نے انھیں لاکر خدمت اقدس میں حاضر کر دیا اور عرض کیا کہ میں شیریں کو حضور کے نذر کرتی ہوں۔ امام عالی مقام نے فرمایا کہ تمھاری نذر مجھے قبول ہے اور میں اب شیریں کو آزاد کرتا ہوں۔ اسی وقت حضرت شہر بانو نے ایک عمدہ جوڑا لاکر شیریں کو پہنایا۔ سیدنا امام حسین نے پوچھا کہ شہر بانو تم نے اتنی کنیزیں آزاد کیں لیکن ان میں سے کسی کے ساتھ ایسا اعزازی سلوک نہ کیا لیکن شیریں کے ساتھ یہ خصوصیت کیوں۔ آپ نے عرض کیا ان کو میں نے آزاد کیا تھا اور شیریں کو آپ نے۔ میں نے چاہا کہ میری آزاد کردہ کنیزوں اور آپ کی آزاد کردہ کنیز میں ایک اعزازی امتیاز باقی رہے۔

شیریں کو حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آزاد تو فرما دیا تھا لیکن جناب شیریں نے خادمہ کی حیثیت سے قدم امام سے لپٹی رہنے میں ہی اپنی سعادت جانی چنانچہ مدینہ منورہ کی راحت گاہ سے کربلا کی امتحان گاہ تک دامن امام کو نہیں چھوڑا اور جب سیدوں کا لٹا ہوا قافلہ کربلا سے کوفہ اور کوفہ سے شام کو جا رہا تھا تو حضرت شیریں بھی اسی مظلوم قافلہ کے ساتھ تھیں چنانچہ جب شہر معمورہ کے نزدیک پہاڑ کے دامن میں یہ قافلہ ٹھہرا ہوا تھا تو شیریں نے چاہا کہ کوفیوں کی حریص نگاہوں سے میں نے اپنے جو زیور بچا لئے ہیں انھیں شہر میں بیچ کر کچھ کپڑے خرید لاؤں جس سے حرم محترم کی خواتین معظم

کی پردہ پوشی ہو سکے چنانچہ ادھر سے حضرت شیریں اس خیال کے تحت جانب شہر روانہ ہوتی ہیں، ادھر شہر معمورہ کا رئیس عزیز یہودی خواب سے بیدار ہو کر اور بیش قیمت کپڑے وغیرہ لے کر قافلہ میں آنے کیلئے روانہ ہوتا ہے۔ شیریں اور عزیز دونوں ایک ساتھ ہی شہر معمورہ کے دروازہ پر پہونچتے ہیں۔ دروازہ اندر سے بند تھا، جیسے ہی حضرت شیریں نے دستک دی عزیز یہودی نے فوراً ہی اندر سے جواب دیا کہ شیریں ٹھہرو میں دروازہ کھولتا ہوں۔ جب دروازہ کھلا تو حضرت شیریں نے عزیز یہودی سے پوچھا کہ تم نے میرا نام کیسے جانا اور تمھیں یہ کس طرح معلوم ہوا کہ دستک دینے والی میں ہی ہوں۔ عزیز یہودی نے اپنے خواب کا پورا واقعہ بیان کر دیا اور شیریں کے ساتھ حضرت امام زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر نذرگزاری اور مشرف بہ اسلام ہوا۔

رئیس شہر معمورہ عزیز یہودی کے مسلمان ہوتے ہی باشندگان شہر معمورہ بھی مسلمان ہو گئے پورا شہر معمورہ اسلام کی روشنی سے جگمگا اٹھا۔ سیدنا امام زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اے عزیز تم نے ہمارے اہلبیت کے ساتھ احسان کیا ہے لہٰذا اس کے بدلے میں ہم نواسۂ رسول کی آزاد کردہ کنیز شیریں سے تمہارا عقد کئے دیتے ہیں چنانچہ اسی وقت اسی مجلس میں شیریں اور عزیز کے عقد کی رسم سیدا ادا فرمائی۔

شہر معمورہ سے کوچ کرنے کے بعد شمر نے حکم دیا کہ دن میں تو شہداء کے

سروں کو نیزوں پر رکھا جائے لیکن رات میں صندوقوں میں رکھ کر تالے لگا دیئے جائیں اور پچاس محافظین رات بھر پہرہ دیتے رہیں انھیں محافظین میں سے ابو المنوق نامی ایک شخص نے بیان دیا کہ ایک دن ہم لوگ جنگل میں ٹھہرے ہوئے تھے رات کافی گذر چکی تھی، ہمارے ساتھ پہرہ دینے والے تمام لوگ سو چکے تھے لیکن میں تنہا جاگ رہا تھا۔ نہ جانے کیوں نیند ہی نہ آرہی تھی کہ اچانک میں نے ایک ہیبت ناک آواز سنی اور اس کے بعد دیکھا کہ ایک وجیہہ شخص جن کا رنگ گندمی ہے سفید لباس پہنے آسمان سے اترے۔ سر مبارک امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو صندوق سے نکالا اور سینے سے لگا کر بہت روئے میں نے چاہا کہ ان کے ہاتھ سے سر امام چھین لوں کہ اچانک کسی نے پُر جلال آواز میں للکارا اور کہا کہ خبردار یہ حضرت آدم صفی اللہ ہیں۔ ابو المنوق کہتا ہے کہ میں خوفزدہ ہو کر ٹھہر گیا اتنے میں پھر آواز آئی یہ نوح نجی اللہ ہیں۔ اس کے بعد حضرت ابراہیم خلیل اللہ اور حضرت اسمٰعیل ذبیح اللہ نیز دیگر انبیاء کرام تشریف لائے آخر میں حضور سید الکونین جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف فرما ہوئے، تمامی انبیاء کرام نے یکے بعد دیگرے سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سر مبارک کو چوما اور سینے سے لگایا۔ اس کے بعد ایک نورانی کرسی بچھائی گئی جس پر سرکار دو عالم تشریف فرما ہوئے اور تمامی انبیاء کرام گرد و پیش مودب کھڑے ہو گئے۔ اب ایک فرشتہ آیا جس کے ایک ہاتھ میں تلوار اور گرز آتشیں تھا اس نے بڑھ کر میرا ہاتھ پکڑا میں نے فریاد کی یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

میں تو سرکار کے غلاموں میں سے ہوں یہ لوگ جبراً مجھے پکڑ لائے ہیں لیکن یہ کہتے کہتے اس فرشتہ نے مجھے ایک طمانچہ مار ہی دیا۔ پھر حضور نے فرمایا کہ اب اسے چھوڑ دو۔ لیکن میں مارے ہیبت کے بیہوش ہو گیا۔ صبح کو جب ہوش آیا تو دیکھتا ہوں کہ لوگ محافظوں کو تلاش کر رہے ہیں لیکن جہاں پر جو محافظ سویا تھا وہاں سوائے راکھ کے ڈھیر کے اور کچھ نہ تھا۔

ابو المنوق نے جب شمر کے سامنے اس واقعہ کو بیان کیا تو شمر نے دیکھا کہ واقعی جس رخسار پر فرشتے نے طمانچہ مارا تھا وہ بالکل سیاہ تھا اسی وقت ابو المنوق نے ایک پر زور آہ کی اور گر کر مر گیا۔ شمر اس واقعہ سے اتنا گھبرایا کہ فوراً کوچ کا حکم دے دیا، راستہ میں معلوم ہوا کہ مسیب ابن قعقاع کا ارادہ ہے کہ شب خون مار کر شہداء کے سروں کو چھین لے۔ رات ہوئی ایک گرجا کے قریب قیام کیا اور تمام سروں کو صندوقوں میں مقفل کرا کے مع تمام اہلبیت اطہار کے گرجے میں بھیج دیا۔ گرجے کے پادری نے صندوق کو ایک کمرے میں بند کر کے تالا ڈال دیا اور اسی کمرے کے قریب دوسرے کمرے میں اہلبیت اطہار کو ٹھہرا دیا۔

ابو سعید دمشقی کا بیان ہے کہ چونکہ ابو المنوق کے واقعہ سے سبھی ڈرے ہوئے تھے سروں کی حفاظت کیلئے کوئی تیار نہ ہوا۔ لہٰذا گرجے کے پادری کو سروں کی حفاظت کیلئے متعین کر دیا گیا۔ پادری نے پوری رات اسی حجرہ کے قریب گذاری جس میں شہداء کے سر رکھے ہوئے تھے۔ جب رات

کا کچھ حصہ گذر گیا تو راہب نے دیکھا کہ پورا کمرہ اچانک روشنی سے بھر گیا اور اتنی تیز روشنی کہ آنکھیں ٹھہرنے کا نام نہیں لیتی تھیں۔ خیرہ ہوئی جاتی تھیں۔ پادری نے ایک کھڑکی سے کمرہ میں جھانکا تو دیکھتا کیا ہے کہ آسمان کی چھت شق ہے اور کچھ محافہ زریں خوبصورت عورتوں کے جھرمٹ میں آسمان سے اتر رہے ہیں۔ آواز آئی اے پادری کھڑکی سے دور ہٹ جا کہ یہ خواتین عفت مآب وہ ہیں کہ جن کی عفت و عصمت پر فرشتوں کو بھی رشک آتا ہے۔ پادری کھڑکی سے الگ ہٹ جاتا ہے مگر آوازیں برابر سنتا رہا کہ یہ حضرت حوا تشریف لا رہی ہیں، یہ حضرت سارہ، یہ حضرت صفورہ، یہ حضرت آسیہ اور یہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ تشریف لا رہی ہیں۔ آخر میں حضرت سیدتنا فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تشریف لائیں۔

ان آنے والی خاتونانِ محترم نے مختلف انداز میں اپنے اپنے غم و افسوس کا اظہار کیا مختلف قسم کے مرثیے پڑھے گئے۔ پادری نے دوبارہ پھر جھانک کر دیکھنا چاہا تو کچھ نہ دیکھ سکا ایک حجاب نورانی حائل تھا تاب نہ لا سکا اس کی نورانیت کی وجہ سے بے ہوش ہو کر گر پڑا۔

جب ہوش آیا تو نہ وہ روشنی تھی اور نہ وہ حجابات نورانی صرف یہ نظر آیا کہ کمرے کا تالا ٹوٹا ہوا الگ پڑا ہے اور جن صندوقوں میں شہداء کے سر تھے وہ کھلے ہوئے ہیں۔ پادری پر ایک اضطراری کیفیت سی طاری ہو گئی اسی عالم میں اٹھا سر امام عالیمقام کو صندوق سے باہر نکالا مشک و عنبر سے

بسا کر ایک پاکیزہ مصلے پر ادب و احترام کے ساتھ رکھ دیا اور دو زانو انتہائی ادب کے ساتھ سامنے بیٹھ کر عرض کرنے لگا۔ اے ابن رسول میں جان گیا کہ آپ ان لوگوں میں سے ہیں جن کے اوصاف کا تذکرہ توراۃ و انجیل میں ہے آپ کو قسم ہے خدائے بزرگ و برتر کی مجھے حقیقت حال سے آگاہ فرمائیں پادری کے اتنا کہنے پر لبہائے مبارک کو جنبش ہوئی اور فرمایا۔

انا مظلوم۔ انا مھموم۔ انا مقتول انا غریب انا ابن النبی المصطفٰے انا ابن العلی المرتضٰے کرم اللہ تعالیٰ وجھہ	میں مظلوم و غم زدہ اور غریب الدیار ہوں میں نبی مصطفٰے کا لاڈلا بیٹا اور علی مرتضٰے کرم اللہ وجہہ کا چہیتا فرزند ہوں۔

پادری نے جب یہ بات سنی تو اپنے متعلقین کو بلا کر ساری کیفیت بیان کی اور انھیں کے سامنے اپنی زنار توڑ کر با آواز بلند پڑھتا ہے۔

" اشھد ان لا الٰہ الا اللہ وَ اشھد ان محمّد رسول اللہ "

راہب کا کلمہ پڑھنا تھا کہ اس کے تمام ساتھیوں نے زناریں توڑ ڈالیں اور حلقہ بگوش اسلام بن گئے۔ پادری نے پھر سر امام سے مخاطب ہو کر عرض کیا کہ اگر حضور اجازت مرحمت فرمائیں تو میں اپنے متعلقین کو ساتھ لے کر شمر کو اس کے کیفر کردار تک پہنچا دوں۔ سر امام سے آواز آئی۔ مشیت الٰہی کچھ اور ہے وقت کا انتظار کر بہت جلد یہ اپنے بُرے انجام کو پہونچیں گے۔

غرضکہ کوفے سے شام تک کے سفر میں ایسے ہی حیرت انگیز کتنے واقعات ظہور میں آئے اور نہ جانے کتنی کرامتوں کا مشاہدہ ہزاروں

انسانوں نے کیا۔

یزید کو جب اطلاع ملی کہ سیدوں کا لٹا ہوا قافلہ تھوڑی ہی دیر میں قصر امارت میں پہونچنے والا ہے تو اس نے قصر امارت کو آراستہ کرا کے دلہن کی طرح سجا دیا اور شان فرعونیت کے ساتھ تخت پر بیٹھ کر مظلومین اہلبیت کا انتظار کرنے لگا۔

ادھر تو یزید اپنی شان و شوکت ظاہر کرنے کی تیاری میں مصروف ہے اور ادھر قافلۂ حسینی دمشق کے کوچہ و بازار سے گذرتا ہوا قصر امارت کی جانب چلا آ رہا ہے۔ اہل دمشق تماشائی بنے نیزوں پر چڑھے ہوئے شہداء کے سروں کو حیرت و استعجاب کے عالم میں دیکھ رہے ہیں۔ قافلہ جوں جوں قصر امارت کی جانب بڑھتا جاتا ہے مجمع میں بھی اضافہ ہوتا جاتا ہے۔

ایک محبِّ اہلبیت

حضرت امام زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نگاہ اٹھائی تو دیکھا کہ اس مسرور و شادماں بھرے مجمع میں ایک شخص زار و قطار رو رہا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ ہر تماشائی تو خوش ہے لیکن اے شخص تو کیوں رو رہا ہے۔ اس نے عرض کیا کہ سرکار میں تو خادم بارگاہِ عالی ہوں۔ رونا اس پر آ رہا ہے کہ مجھے اپنی زندگی میں ایسا دن دیکھنا نصیب ہو رہا ہے۔ اے کاش! آج میرے قبیلے کے لوگ یہاں ہوتے تو اہل دمشق بجائے خوش ہونے کے یزید کی تباہی و بربادی پر ماتم کناں نظر آتے قصر یزید کی اینٹ سے اینٹ بجا دیتا مگر افسوس کہ

تنہا ہوں۔

امام زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کی عقیدت و محبّت اور جذبۂ جان نثاری کو دیکھ کر دعا دی اور ارشاد فرمایا کہ اگر تم سے ہو سکے تو اتنا کرا دو کہ جو شخص اپنے نیزے پر سر امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اٹھائے ہوئے ہے وہ ذرا آگے بڑھ جائے تاکہ مجمع بھی آگے چلا جائے اس لئے کہ اہلبیت اطہار کی عفت مآب خواتین کو اس مجمع سے بڑی تکلیف ہو رہی ہے۔ یہ شخص آگے بڑھا اور جس اونٹ پر امام حسین کا سر تھا اس کے شتربان کو پچاس دینار دیکر اونٹ کو آگے بڑھوا دیا پھر بازار سے کچھ چادریں لاکر اہلبیت اطہار کی خدمت میں پیش کیں اور ایک عمامہ حضرت امام زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں نذر کیا۔

بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا نام ازربر تھا اور بعض روایتوں کی بنا پر یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ یہ سہیل ساعدی نامی ایک صحابی تھے جو بغرض تجارت باہر گئے ہوئے تھے اور دمشق میں عین اس وقت پہونچے جب کہ سر امام یزید کی قصر امارۃ کی جانب لے جایا جا رہا تھا۔

منہال ابن عمر فرماتے ہیں کہ جس وقت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سر مقدس کی دمشق کے کوچہ و بازار میں تشہیر کرائی جا رہی تھی اور گلی گلی میں گھمایا جا رہا تھا تو قسم بخدا میں نے دیکھا کہ ایک شخص آگے آگے سورۂ کہف کی تلاوت کر رہا ہے۔ اور جب آیت تلاوت کی۔

"ان اصحاب الکھف والرقیم کانوا من آیتنا عجبا"

تو میں نے دیکھا کہ لبہائے امام کو جنبش ہو رہی ہے غور سے سنا تو آپ فرما رہے ہیں کہ

اصحاب کہف سے کہیں زیادہ میرا قتل اور میرے سر کا نیزہ پر بلند کیا جانا حیرت انگیز ہے۔	ان اصحاب الکھف واعجب ذالك قتلی وحملی

یزید اپنے قصر نحوست میں جواہرات سے مرصع تخت پر بیٹھا ہوا ہے اور شاہی امراء دست بستہ دائیں بائیں کھڑے ہیں۔ جس وقت ساداتِ کرام کا لٹا ہوا قافلہ اس قصرِ امارت میں پہونچتا ہے تو وہیں ایک چبوترے پر پردہ ڈال کر خواتین محترم کو ٹھہراتا ہے اور سرہائے شہداء کو اپنے سامنے رکھوا لیتا ہے پھر فرداً فرداً سب کا حال پوچھتا ہے۔

یزید کے مزاج کو سمجھنے کے لئے شمر نے ابن مالک کو سمجھا دیا تھا کہ جب سرِ امام کے متعلق یزید سوال کرے تو کہدینا کہ انھیں میں نے قتل کیا ہے۔ چنانچہ جس وقت یزید نے امام عالی مقام کے سرِ اقدس کے متعلق سوال کیا تو بشیر ابن مالک آگے بڑھا اور کہا کہ " اے امیر شام میں نے تیری رضا جوئی اور خوشنودی حاصل کرنے کے لئے خیر خلق اللہ کا سر کاٹا ہے اور اب تیری عطا و بخشش کا خواستگار ہوں۔"

یزید نے جھنجھلا کر کہا کہ اے بشیر جب تو انھیں خیر خلق اللہ مانتا ہے تو قتل کیوں کیا اے جلاد لے جا اور بشیر بن مالک کو قتل کر دے

کہ جھوٹا اور مکار ہے۔ جلاد نے بشیر ابن مالک کو قصرِ یزید سے باہر لیجا کر ایک ہی وار میں قتل کر دیا۔ بشیر ان دس آدمیوں میں سے تھا جو میدان کربلا میں قتل امام پر متفق ہو کر آگے بڑھے تھے۔

واقعات و حالات پر نگاہ ڈالی جائے تو یہ بات بہت واضح طریقہ پر سمجھ میں آتی ہے کہ اشقیاء سے شہداء خون ناحق کا انتقام من جانب اللہ کربلا سے روانہ ہونے کے وقت ہی شروع ہو چکا تھا اور اب خصوصی طور پر پورا ظہور ہو رہا تھا۔

شمر نے ماحول کو اچھی طرح سمجھ کر شہادت امام کی تفصیل بیان کرنا شروع کی اور جب اپنی شقاوت کی پوری داستان بیان کر چکا تو یزید نے ایک طشت میں سرِ امام منگا کر اپنے تخت نکبت کے سامنے رکھوایا اور اپنے ہاتھ کی چھڑی سے لبہائے مبارک اور دندان شریف کو مس کرنے لگا اور کہنے لگا کہ کتنے حسین ہیں ان کے لب اور دندان کہ اب بھی حُسن پھوٹا پڑ رہا ہے۔

جالوُت حکیم جالوت نام کا ایک یہودی حکیم تھا جو یزید کا معالج تھا اس نے یزید کے سامنے سرِ پاک امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھ کر پوچھا کہ اے یزید یہ کس کا سر ہے۔ یزید نے بے ہودہ انداز میں کہا کہ ایک خارجی کا سر ہے۔ جالوت نے پوچھا کہ نام کیا ہے یزید کہتا ہے کہ ان کا نام حسین ہے۔ جالوت نے پوچھا کہ انھیں کس وجہ

سے قتل کیا گیا۔ یزید کہتا ہے کہ ان کا ارادہ تھا کہ مجھ سے تخت خلافت
کو چھین لیں۔ جالوت کہتا ہے کہ اے یزید تجھ پر تف ہے کہ تو نے انھیں
قتل کرایا حقیقت تو یہی ہے کہ خلافت انھیں کا حق ہے اے یزید کیا تو
جانتا نہیں میں حضرت داؤد پیغمبر علیہ السلام کی اولاد میں ہوں اور مجھ میں
اور ان میں چالیس پشتوں کا فاصلہ ہے لیکن یہودی آج بھی میری تعظیم
کرتے ہیں اور مجھ سے برکت حاصل کرتے ہیں اور تھوڑا ہی زمانہ گذرا ہے کہ
تمھارے نبی ظاہری طور پر تمھارے درمیان تشریف فرما تھے اور یہ تیرے
نبی کے نواسے ہیں تو نے انھیں قتل کیا اور اہل بیت نبی کی توہین کی۔ یہ
کہہ کر جالوت نے تلوار کھینچی اور چاہا کہ یزید پر وار کرے لیکن لوگوں نے
روک لیا۔ اس کے بعد جالوت سر پاک امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے
قریب آیا سر اقدس کو بوسہ دیا اور کہا کہ اے امام ان لوگوں پر اللہ تعالیٰ
کی لعنت ہو جنھوں نے آپ کو قتل کیا اے امام عالی مقام میں پڑھتا ہوں
اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ۔ اپنے
نانا جان کی بارگاہ میں میرا اسلام عرض کریں اور میرے اسلام و ایمان پہ
گواہی دیں۔ یہ کیفیت دیکھ کر یزید کہنے لگا کہ میں اپنے موذی امراض کی
کی وجہ سے تیرا محتاج ہوں ورنہ تجھے ابھی قتل کر دیتا۔ جالوت نے
جواب دیا کہ اب میں تجھ کو شفایابی کی دوا نہ دوں گا بلکہ ایسی دوائیں دوں
گا جو تجھے اور تباہ و برباد کر دیں۔ یہ سن کر یزید آپے سے باہر ہو گیا اور

جلاد کو حکم دیا کہ جالوت کو قتل کر دے۔ جلاد آگے بڑھا اور
حضرت جالوت کو شہید کر دیا۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

قیصر روم کا سفیر

سر پاک امام عالی مقام رضی اللہ تعالیٰ
عنہ ایک طشت میں یزید کے دربار میں
رکھا ہوا تھا۔ یزید اور اس کے ساتھی شراب نوشی میں مصروف
تھے کہ اتنے میں قیصر روم کا سفیر اس کے دربار میں داخل ہوا۔ یہ
حالت دیکھ کر یزید سے پوچھا کہ اے یزید کیسا سر ہے۔ جس کی موجودگی
میں تم لوگ شراب پینے میں مصروف ہو مجھے اس حقیقت سے آگاہ
کرو تاکہ میں قیصر روم کے دربار میں اس کی تفصیل بیان کر سکوں۔ یزید
گستاخانہ انداز میں کہتا ہے کہ ایک خارجی کا سر ہے جس نے ہمارے
بصرہ اور کوفہ کے عامل ابن زیاد پر خروج کیا تھا۔ سفیر نے پوچھا کہ یہ
کون ہیں۔ یزید کہتا ہے کہ یہ حسین ابن علی ہیں۔ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) سفیر
نے پوچھا ان کی والدہ ماجدہ کا نام کیا ہے۔ یزید کہتا ہے ان کی والدہ ماجدہ
کا نام فاطمۃ الزہرا، بنت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ سفیر
کہتا ہے کہ اے یزید تجھ پر تف ہے اور تیری اس حالت پر افسوس
صد افسوس۔ اے یزید سن میرے دادا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے
حواریوں میں تھے ان میں اور مجھ میں چالیس پشتوں سے زیادہ فاصلہ ہے
لیکن عیسائی آج بھی میری تعظیم بہت زیادہ کرتے ہیں اور میرے پیر کی مٹی سے

برکت حاصل کرتے ہیں اور تیری سرکشی یہ کہ تو نے اپنے نبی کی صاحبزادی کے لختِ جگر کے ساتھ ایسا دردناک ظلم کیا۔ اور اے یزید کیا تو نے۔

"کنیسۃ الحافِر" کا ذکر نہیں سُنا۔ یزید کہتا ہے نہیں۔ سفیر کہتا ہے کہ ملک کمان اور ملک چین کے درمیان ایک سمندر ہے جس کا راستہ کم و بیش ایک سال کا ہے اس کے درمیان اسّی فرسخ مربع ایک بہت بڑا شہر ہے۔ اسی شہر سے یاقوت، کافور، عود، عنبر وغیرہ دوسرے ملکوں میں جاتا ہے۔ وہ شہر عیسائیوں کے قبضہ میں ہے۔ اس میں بہت سے گرجا ہیں اور سب سے بڑے گرجا کا نام "کنیسۃ الحافِر" ہے اس کے محراب میں ایک زنجیر لٹکی ہوئی ہے اسی میں وہ "حافِر" (کھُر) سونے، چاندی، یاقوت وغیرہ سے آراستہ کیا ہوا رکھا ہے "حافِر" (کھُر) کے بارے میں عیسائیوں کا عقیدہ ہے کہ یہ حافِر (کھُر) اس گدھے کا ہے جس پر عیسیٰ علیہ السلام سواری فرماتے تھے۔ ہر سال کثیر تعداد میں عیسائی اس کی زیارت کیلئے آتے ہیں۔ اس کا طواف کرتے ہیں اور بوسہ لیتے ہیں اور اسے اپنے سر پہ رکھ کر تعظیم و تکریم کرتے ہیں اور اس کے وسیلہ سے اپنی حاجتوں کے پوری ہونے کی دعا کرتے ہیں۔ لیکن اے یزید تجھ پر تف اور ہزار بار تف کہ تو نے اپنے نبی محترم کے نواسے کے ساتھ ایسا ناروا سلوک کیا۔ اے یزید سن کہ امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نانا نبی برحق ہیں انھوں نے لوگوں

کو کفر کی تاریکیوں سے نکال کر اسلام و ایمان کا نور عطا کیا اور امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے والد ماجد حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں جو اپنے رسول محترم کے حکم سے قیامت کے دن پیاسوں کو آبِ کوثر پلائیں گے سفیر قیصر روم کی یہ حقیقت افروز گفتگو سن کر یزید بالکل آپے سے باہر ہو گیا اور جلاد سے کہتا ہے کہ سفیر کو قتل کر دے۔ یہ سن کر سفیر نے کہا کہ اے یزید کیا واقعی تو مجھے قتل کر دے گا۔ یزید نے کہا کہ میں یقیناً تجھے قتل کروں گا سفیر نے کہا کہ اے یزید اتنی بات اور سن لے کہ مجھے اپنے اس قتل ہونے پر بے حد خوشی ہے کیونکہ رات خواب میں اللہ کے پیارے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مجھے اپنے دیدار سے مشرف فرمایا اور میرے لئے جنت کی ضمانت لی ہے یہ کہہ کر سفیر نے بلند آواز سے کلمۂ شہادت پڑھا اور آگے بڑھ سر پاک امام حسین سینے سے لگا لیا اور بوسہ دیا کہ اتنے میں جلّاد نے آگے بڑھ کر اس سفیر کو شہید کر دیا رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

اسی مجلس میں موجود حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو کہ ایک بلند پایہ صحابی تھے یزید کی اس ناپاک حرکت کو دیکھ کر تڑپ گئے اور یزید کو ڈانٹتے ہوئے فرمایا اے یزید تجھ پر غضب ہو خدا کا تو ان لبوں اور دانتوں کی توہین کر رہا ہے جنھیں سرور کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بار بار چوما ہے تو محبوب خدا کی پسندیدہ اور

محبوب شے کی اہانت کر رہا ہے۔ بس بہت ہو چکا اب اپنے ناپاک ہاتھ کی ناپاک چھڑی کو ان مقدس لبوں سے ہٹالے جن کی تقدیس کی فرشتے بھی قسم کھاتے ہیں۔ خدائے قہار و جبار تجھ شقی کو اور تیرے ان ظالم ہاتھوں کو فنا کر دے۔

یزید اس نصیحت اور حق گوئی کی تلخی برداشت نہ کر سکا غضب ناک ہو کر کہتا ہے اگر تمھاری صحابیت کا پاس نہ ہوتا ابھی قتل کر دیتا حضرت سمرہ ابن جندب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ (تعجب ہے میری صحابیت کا اتنا خیال اور امام حسین کی شرف انبیت رسول کا ذرہ برابر احساس بھی نہیں۔ او بے دین تو نے ہی حکم دے کر انھیں شہید کرایا تو نے ہی جگر پارہ رسول کو پارہ پارہ کیا۔ تو نے ہی امیر معاویہ کی وصیتوں کو پامال کیا۔ انتظار کر عنقریب تجھے اپنا انجام بد اسی دنیا میں دیکھنا پڑے گا۔ اور کل روز قیامت داورِ محشر کی عدالت میں ان کا خونی کفن ہوگا اور تو۔) حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ان چند حقیقت افروز کلمات نے کچھ ایسا اثر کیا کہ درباریوں کے دل بھر آئے اور سب کے سب زار و قطار رونے لگے۔ یزید کو غصہ تو بہت آیا لیکن اس ڈر سے کہ کہیں ان کے قتل سے فتنہ اور بڑھ جائے قتل سے باز رہا مگر اپنے دربار سے نکلوا دیا۔

اب خبیث یزید نے زنانِ حرم محترم کو بھرے دربار میں بلایا۔ حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے یزید کی اس بدتمیزی پر فرمایا کہ او بے حیا یزید کیا تجھ میں شرم و غیرت کی کچھ بھی خو بو باقی نہیں رہی کہ تیرے گھر کی عورتیں جو اس کی بھی اہلیت نہیں رکھتیں کہ ہماری کنیزیں بن سکیں وہ تو پردہ میں بیٹھیں اور ہم جو کہ ناموس رسول ہیں جن کے گھر میں فرشتے بھی اجازت لے کر داخل ہوں انھیں تو اس طرح بے پردہ و بے حجاب بھرے دربار میں بلا کر رسوا کرے ظلم و ستم کا ایک ایک تیر اہلبیت کے سینۂ صبر و استقلال پر آزما لیا کیا اب بھی تیری ظالمانہ پیاس نہیں بجھی کیا اب بھی تیرا دل نہیں بھرا۔ ظالم کہیں ایسا نہ ہو کہ غیرت حق کو جلال آجائے اور قہر الٰہی کی بجلی اسی وقت تجھے خاکستر کر دے۔

اس تقریر سے یزید کے بدن پر لرزہ طاری ہو گیا۔ فوراً تمامی مخدرات عصمت کو پردہ میں بھجوا دیا اور سیدنا امام زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنے پاس بلا کر کہنے لگا کہ تمھارے والد نے چاہا کہ منبر و پران کا نام لیا جائے، ان کے نام کا خطبہ پڑھا جائے مگر قدرت نے یہ قدر و منزلت تو میری قسمت میں لکھی تھی۔ ان کی آرزو کیسے پوری ہوتی۔ اللہ نے مجھے کامیاب کیا اور انھیں اس نعمت سے محروم رکھا سیدنا امام زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی غیرت ہاشمی کو

جوش آگیا اور فرمایا کہ او جھوٹے انصاف سے کہہ کہ منبر میرے باپ
دادا نے بنایا یا تیرے باپ دادا نے۔ خلافت میرے اب وعم کا
حق ہے یا تیرے باپ دادا کا۔ قرآن تیرے باپ دادا پر نازل ہوا
یا میرے جد امجد جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر۔

امام زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس حقیقت افروز تقریر
نے یزید کی آتشِ غیظ وغضب کو اور بھڑکا دیا اتنا مشتعل ہوا کہ ہواس
باختہ ہوکر قتل امام زین العابدین کا حکم دے دیا۔ حضرت ام کلثوم رضی
اللہ تعالیٰ عنہا نے یزید کو ڈانٹتے ہوئے فرمایا کہ او ہندہ کے بیٹے یزید
خبردار قتل زین العابدین کا ارادہ بھی نہ کرنا ورنہ ابھی تک تو ہم صبرو
ضبط سے کام لیتے آئے ہیں اگر اب تو نے نسل پیمبر کی اس آخری نشانی
کو بھی مٹانا چاہا تو ہم ابھی پکارتے ہیں مغیث ہر دو کون جناب محمد
رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو۔ لیکن یزید نے جب آپ کے اس
کہنے کا کوئی اثر نہ لیا تو اسی وقت آپ پکار اٹھیں۔

انا دیک یا جداہ یا خیر مرسل   حسینک مقتول ونسلک ضائع

ترجمہ:۔ اے دو جہاں کے دادرس فریاد ہے اے خیر الرسل فریاد ہے
آپ کے لخت جگر حسین شہید ہو چکے ہیں اور اب آپ کی نسل پاک کی آخری نشانی
بھی مٹا چاہتی ہے۔

حضرت ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی یہ فریاد اسی وقت بارگاہِ نبوت

میں شرف قبول پاتی ہے اور یزید پر ایسی ہیبت طاری ہوئی کہ بدن
لرزنے لگا فوراً قتل امام زین العابدین کا حکم واپس لے لیا اور کہنے لگا کہ
اے امام دربار شاہی کے آداب و رسوم کا خیال رکھیے۔ آپ نے فرمایا
کہ مجھے تجھ سے کیا لینا ہے کہ میں آداب شاہی کا لحاظ رکھوں یہ تیرا اور تیرے
حواریین کا فرض ہے مجھ سے ایسی توقع نہ رکھ کہ میں تجھ جیسے فاسق وفاجر
کا ادب بجالاؤں گا۔

اتنے میں یزید کا بیٹا آگیا یزید کہنے لگا کہ میرا یہ بیٹا اور آپ
عمر میں برابر ہیں میں چاہتا ہوں کہ آپ دونوں کشتی لڑیں دیکھوں کون
جیتتا ہے۔ آپ نے فرمایا اگر تجھے یہی شوق ہے کہ میری رگوں میں
دوڑنے والے ہاشمی خون کی طاقت وقوت دیکھے تو ایک تلوار مجھے
دے اور ایک اپنے بیٹے کو پھر دیکھ کس کا وار کاری ہے۔

اتنے میں یزید کے محل سرا سے نوبت بجنے کی آواز آنے لگی یزید
کے بیٹے نے کہا بتاؤ یہ نوبت کس کی بج رہی ہے تمہارے باپ کی
یا میرے باپ کی ابھی اسکی یہ بیہودہ بکواس ختم بھی نہ ہوئی تھی کہ مسجد
سے اذان کی آواز آئی۔ سیدنا امام زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ
نے فرمایا کہ او ابن یزید تیرے باپ کی نوبت تیرے اسی قصر نحوست
میں بجے گی اور صرف اس وقت تک جب تک نقارہ سلامت ہے لیکن
مسجد سے میرے جد کریم کی نوبت کی جو آواز آرہی ہے جس کی گونج

فرش سے عرش تک ہے صبح قیامت باقی رہے گی۔ بتا تو سہی "اشھد ان محمدًا رسول اللہ" میرے جدامجد کیلئے ہے یا تیرے باپ دادا کیلئے۔

امام زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس گفتگو سے یزید کچھ متاثر ہوا نیز اس پر کچھ خوف کا بھی غلبہ ہوا۔ کہنے لگا آپ مجھ سے کچھ فرمائش کریں میں اسے پوری کروں گا۔ آپ نے فرمایا کہ مجھے یہ توقع تو نہیں کہ میں جو کچھ بھی کہوں گا تو اسے پورا کرے اور اگر تو واقعی اپنے قول میں سچا ہے تو میرے چار مطالبات ہیں انھیں پورا کر دے۔

اوّل تو یہ کہ میرے والدمحترم کے قاتل کو میرے حوالہ کر کہ میں اسے قتل کروں۔ دوم یہ کہ شہدا کے سروں کو مجھے دے کہ میں انھیں لے جاکر جسم ہائے مقدس کے ساتھ دفن کروں۔ سوم یہ کہ آج جمعہ کا دن ہے مجھے اجازت دے کہ میں منبر پر چڑھ کر خطبہ پڑھوں۔ چہارم یہ کہ ہمارے لٹے ہوئے قافلہ کو مدینہ منورہ پہونچا دے۔

یزید نے ان چاروں سوالوں کو سن کر سب سے پہلے قاتل امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق پوچھا۔ لوگوں نے کہا کہ خولی بن یزید ہے۔ چونکہ بشیر ابن مالک کا عبرتناک انجام خولی دیکھ ہی چکا تھا لہٰذا صاف انکار کر گیا کہ میں نے نہیں قتل کیا بلکہ قاتل سنان ابن انس ہے۔ سنان ابن انس اپنا نام سنتے ہی جھٹ سے بول پڑا

کہ قاتلِ امام پر لعنت بھیجتا ہوں۔ قاتلِ حسین تو شمر ذی الجوشن ہے۔ تمام درباری بھی تصدیق کرنے لگے کہ واقعی قاتلِ حسین تو شمر ہی ہے۔ مگر شمر بھی صاف انکار کر گیا۔ یزید نے برہم ہو کر کہا کہ آخر کسی نہ کسی نے تو قتل کیا ہی ہوگا۔ یزید کے تیور دیکھ کر شمر کو بھی طیش آگیا کہنے لگا میں کیوں قتل کرنے لگا حسین کو۔ کیا حسین نے میری کوئی سلطنت دبا رکھی تھی۔ بلکہ اصل قاتلِ حسین وہ ہے جس کو خطرہ تھا کہ اگر حسین زندہ رہے تو میری سلطنت باقی نہ رہے گی۔ قاتلِ حسین وہ ہے جس نے قبائل کو جمع کیا انھیں ہتھیار دیئے، جاگیریں دیں زر و جواہر بانٹے اور قتل حسین پر ابھارا۔ خود عشرت کدہ میں بیٹھا رہا اور دوسروں کے ذریعہ اپنا مقصد حاصل کیا۔ چونکہ ساری زد یزید پر پڑ رہی تھی کہنے لگا کہ تم سب پر خدا کی لعنت ہو سب کے سب یہاں سے چلے جاؤ۔

اس کے بعد امام زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہنے لگا کہ قاتل امام کا مطالبہ تو درگذر کیجیے باقی آپ کے تمامی مطالبات منظور ہیں۔

جس وقت یزید جامع مسجد پہونچتا ہے تو دیکھتا کیا ہے کہ شام کے تمامی امراء و روٴسا جمع ہیں سوچنے لگا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ امام زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خطبہ پڑھنے سے میرا بنا بنایا کام بگڑ جائے فوراً ایک شـ... خطیب کو اشارہ کیا وہ منبر پر چڑھ گیا اور خطبہ شروع کر دیا۔ خطبہ کیا جھوٹ کا جیتا جاگتا شاہکار تھا جس میں آلِ ابوسفیان

کی بے جا تعریف اور آل ابی طالب کی تحقیر و تذلیل اور سبط پیمبر کی برائیاں تھیں ۔ امام زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی غیرت ایمانی اس غلط بیانی کو برداشت نہ کر سکی آپ کھڑے ہو گئے اور آگے بڑھ کر فرمایا بئس الخطیب انت یعنی اے شامی تو انتہائی جھوٹا اور فتنہ پرور خطیب ہے ۔ ایک فاسق و فاجر سیہ کار بندے کی خوشنودی کیلئے اللہ جل مجدہٗ کی نا فرمانی کر رہا ہے ۔ اور اپنے کو عذاب الٰہی کا مستحق ٹھہراتا ہے اور اے یزید تو نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ آج مجھے خطبہ پڑھنے کا موقع دے گا ۔ پھر یہ وعدہ خلافی کیسی ۔ یزید اس یاد دہانی کے باوجود بھی امام زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خطبہ پڑھنے کا موقع نہیں دینا چاہتا تھا ۔ مگر حاضرین مسجد کھڑے ہو گئے اور اصرار کرنے لگے کہ اہل بیت اطہار کی شان خطابت بے مثل ہے آج ہم انھیں کا خطبہ سننا چاہتے ہیں یزید اپنے حواریوں سے مشورہ کرنے لگا کہ امام زین العابدین اس خاندان سے تعلق رکھتے ہیں جس کی فصاحت و بلاغت کا عرب و عجم میں ڈنکا بج رہا ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ ہاشمی شیر اپنی شاندار فصاحت و بلاغت سے پانسہ ہی پلٹ دے ۔ یزید کے بہی خواہوں نے جواب دیا کہ ابھی بچے ہیں اتنا سلیقہ کہاں امید کہ وعظ و نصیحت کر کے خطبہ ختم کر دیں گے ۔ مجبور ہو کر یزید نے آپ کو خطبہ پڑھنے کی اجازت دی ۔

حضرت امام زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ منبر پر تشریف

لائے اور خطبہ شروع فرمایا حمد و نعت بیان فرمانے کے بعد آپ نے جو کلمات ارشاد فرمائے ہیں ان کو علامہ ابو اسحاق اسفرائینی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی کتاب نور العین میں بہت تفصیل سے نقل فرمایا ان کلمات کا مفہوم حسب ذیل ہے ۔

اے لوگو میں تمھیں نصیحت کرتا ہوں کہ بچو دنیا اور اس کی فریب کاریوں سے کیوں کہ یہ وہ جگہ ہے جو زوال پذیر ہے ۔ اس کیلئے بقا نہیں ہے اس نے گذشتہ قوموں کو فنا کر دیا ہے حالانکہ تم سے زیادہ ان کے مال تھے ۔ ان کی عمریں تم سے کہیں زیادہ لمبی تھیں ، ان کے جسموں کو مٹی نے کھا لیا اور ان کے حالات پہلے کی طرح نہیں رہے تو اب تم ان کے بعد دنیا و ما فیہا سے کس بہتری کی امید رکھتے ہو ۔ افسوس افسوس ۔ خبردار ہوشیار ہو جاؤ کہ اس دنیا سے لپٹے رہنا اور اسی میں مشغول ہو جانا بے فائدہ ہے ۔ لہٰذا اپنی گذشتہ اور آئندہ کی زندگی پر غور کرو نفسانی خواہشات سے فارغ ہونے اور عمر کی مدت ختم ہونے سے پہلے اس دنیا میں نیک کام کرو جن کا اچھا صلہ تمھیں آئندہ ملے گا ۔ کیوں کہ ان اونچے اونچے محلوں سے بہت جلد

قبروں کی طرف بلائے جاؤ گے اور اچھے بُرے کاموں کے بارے میں تم سے حساب لیا جائے گا۔ خدا کی قسم بتاؤ کتنے تاجروں کی حسرتیں پوری ہوئیں اور کتنے جابر ہیں جو ہلاکت کے گڑھوں میں گرے جہاں انھیں ان کی ندامت نے کوئی بھی فائدہ نہ دیا اور نہ ظالم کو اس کی فریاد رسی نے اور اسی کا صلہ انھوں نے پایا جو کچھ انھوں نے دنیا میں کیا تھا اور اے نبی آپ کا رب کسی پر ظلم نہیں کرتا۔

اے لوگو! جو مجھے پہچانتا ہے وہ پہچانتا ہے اور جو نہیں پہچانتا اس سے اپنا تعارف کراتا ہوں کہ میرا نام علی ہے اور میں حسین ابن علی کا بیٹا ہوں میں فاطمہ زہرا کا لختِ جگر ہوں۔ میں خدیجۃ الکبریٰ کا فرزند ارجمند ہوں۔ میں مکہ زادہ اور صفا و مروہ کا اور منیٰ کا بچہ ہوں۔ میں اس ذاتِ قدسی صفات کا بیٹا ہوں جس پر ملائکہ آسمان صلوٰۃ وسلام پڑھتے ہیں۔ میں اس کا بیٹا ہوں جس کے متعلق باری عزوجل کا ارشاد ہے: "دَنیٰ فَتَدَلّٰی فَکَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنیٰ" میں اس کا بیٹا ہوں جو شفاعتِ کبریٰ کا مالک ہے، میں اس کا بیٹا ہوں جو قیامت میں ساقی ہے حوضِ کوثر کا اور جو قیامت کے دن

صاحبِ علم ہوگا۔ میں صاحب دلائل اور معجزات کا بیٹا ہوں۔ میں اس کا بیٹا ہوں جو کرامتوں کا مالک اور صاحبِ قرآن ہے۔ میں بیٹا ہوں اس سردار کا جو قیامت کے دن مقام محمود پر فائز ہوگا۔ میں صاحب سخاوعطا کا بیٹا ہوں۔ میں اس شہنشاہ ذی وقار کا بیٹا ہوں جسے درخشندہ تاج پہنایا گیا، میں بیٹا ہوں صاحب براق کا میں بیٹا ہوں صفات وحکم اسماعیلی رکھنے والے کا میں بیٹا ہوں صاحبِ تاویل کا، میں بیٹا ہوں صاحب صدور درود کا، بیٹا ہوں میں عابد و زاہد کا بیٹا ہوں میں وعدے وفا کرنے والے کا۔ بیٹا ہوں میں خدا کے مالک و معبود کے رسول برحق کا۔ بیٹا ہوں میں ابراروں کے سردار کا۔ میں اس کا بیٹا ہوں جس پر سورۂ بقر نازل کی گئی۔ میں اس کا بیٹا ہوں جس کیلئے بہشتوں کے دروازے کھولے جائیں گے۔ میں اس کا بیٹا ہوں جس کیلئے جنتِ رضواں مخصوص ہے۔ میں اس کا بیٹا ہوں جس کا سر ہتھیلیوں پر گھمایا گیا۔ میں اس کا بیٹا ہوں جس نے پیاسے جان دی۔ میں بانیٔ کربلا کا بیٹا ہوں۔ میں اس کا بیٹا ہوں جس کا عمامہ اور چادر چھین لئے گئے۔ میں

اس کا بیٹا ہوں جس پر آسمان کے فرشتے روئے۔

اے لوگو! خدا نے اچھی آزمائش کے ساتھ ہمارا امتحان لیا۔ ہمیں علم و ھدایت عطا فرمائی اور ہمارے مخالفوں کو گمراہی کا جھنڈا پکڑایا اور ہمیں جملہ عالمین پر بزرگی عطا فرمائی ہمیں وہ دیا جو اہل عالمین میں سے کسی کو نہ دیا اور ہمیں پانچ چیزوں کے ساتھ مخصوص فرمایا جو مخلوق میں سے کسی میں نہیں پائی جاتیں یعنی علم۔ شجاعت، سخاوت محبتِ خدا اور محبت رسول اور ہمیں وہ عطا فرمایا جو مخلوق میں سے کسی کو عطا نہیں فرمایا۔

حضرت جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اس خطبہ کا یہ اثر ہوا کہ لوگ چیخ چیخ کر رونے لگے اور اس قدر ہیجان بڑھا کہ یزید نے گھبرا کر موذن کو اذان کہنے کا اشارہ کیا۔ موذن نے اذان دینی شروع کی جب موذن نے اللہ اکبر کہا تو امام نے جواب میں فرمایا اللہ اکبر فوق کل کبیر بیشک اللہ سب سے بڑا ہے، پھر موذن نے کہا اشھد ان لا الہ الا اللہ اور جب موذن نے کہا اَشْھَدُ اَنَّ محمّد رَّسُوْلُ اللہ تو حضرت امام زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا باللہ علیك اسکت اے موذن تجھے قسم ہے خداوند قدوس کی ذرا چپ رہ۔ جب موذن خاموش ہوگیا تو آپ نے یزید سے فرمایا۔

یا یزید اکان محمّدٌ اجدی ام جدك فان قلت جدی فانت صادق وان قلت جدك فانت کاذب	اے یزید سچ کہہ کیا محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میرے نانا ہیں یا تیرے اگر تو کہے کہ میرے ہیں تو تو نے سچ کہا اور اگر تو کہے کہ تیرے ہیں تو تو جھوٹا ہے۔

یزید کہنے لگا بل جدك۔ بیشک حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آپ کے نانا ہیں۔ امام زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ظالم جب تو یہ سب جانتا تھا تو

لم قتلت ذریتہٗ وسبیت حریمہ فسکت	تو کیوں قتل کیا ان کے کنبہ کو اور کیوں گالیاں دیں ان کی حرم محترم کو۔

یہ سن کر یزید بالکل ہی خاموش ہوگیا۔ اور اہل مسجد چیخیں مار مار کر رونے لگے۔ عالم یہ ہوگیا کہ یزید کو اپنی جان کے لالے پڑ گئے۔ گھبرا کر کہنے لگا۔

ایھا النّاس اتظنون انی قتلت الحسین فلعن اللہ من قتلہ انما قتلہ عبید اللہ بن زیاد عاملی بالبصرۃ	اے لوگو کیا تمھارا گمان ہے کہ میں نے حسین کو قتل کیا ہے اللہ لعنت کرے حسین کے قاتل پر ان کو قتل کرنے والا عامل بصرہ عبید اللہ بن زیاد ہے۔

اس کے بعد پھر یزید نے حکم دیا کہ جس نے امام حسین کے سر مبارک کو جسم اقدس سے جدا کیا ہے اور جو اس کے مددگار تھے ان تمام کو میرے سامنے لایا جائے۔ سب سے پہلے شیث ربعی سامنے آیا۔ تو یزید نے اس سے کہا: ویلك انا امرتك بقتل الحسین۔ افسوس تجھ پر کیا میں نے تجھے قتل حسین کا حکم دیا تھا۔ شیث ربعی نے کہا

لالعن اللہ من قتلہ واشار الی خولی بن یزید ۔ ہرگز نہیں اس پر خدا کی لعنت ہو جس نے انھیں قتل کیا اور اشارہ کیا خولی بن یزید کی جانب ۔ یزید نے خولی سے بھی وہی سوال کیا ۔ خولی نے بھی وہی جواب دیا جو شیث ربعی نے دیا تھا ۔ غرضکہ سوال وجواب ہوتے ہوتے حصین بن نمیر تک بات پہونچی اس نے بھی انکار کیا اور کہا کہ تو جان کی امان دے تو قاتل حسین کا پتہ بتلا دوں ۔ یزید نے کہا اماں ہے ۔ نمیر نے کہا ۔

اعلم ایہا الامیر ان الذی عقد الرأیات ووضع الاموال وجیش الجیوش وارسل الکتب واوعد الوعائد ہو الذی قتلہ

اے امیر بیشک یہ کام اس کا ہے جو نشان قائم کرنیوالا ہے مال وزر دینے والا ہے ۔ لشکر جمع کرنیوالا ہے ۔ جس نے خطوط بھیج کر وعدہ وعید کرا کے انھیں بلایا وہی امام کا قاتل ہے ۔

حصین ابن نمیر کے جواب سے یزید مارے غصّہ کے آپے سے باہر ہوگیا اور جامع مسجد سے اٹھ کر گھر چلا آیا ۔ یزید کی اس پریشان حالی کو دیکھ کر اس کی بیوی ہندہ قریب آئی اور کہا آج رات میں نے خواب دیکھا ہے کہ آسمانوں کے دروازے کھلے ہوئے ہیں فرشتوں کی جماعتیں آرہی ہیں اور سر امام کے قریب آکر ٹھہرتی ہیں اور عرض کرتی ہیں السلام علیک یا ابا عبداللہ ۔ اتنے میں ایک بادل آسمان سے اترا یوں تو اس میں بہت آدمی ہیں لیکن ایک شخص ایسے ہیں کہ چاند سے کہیں زیادہ ان کا چہرہ

روشن ومنور ہے وہ آگے بڑھے اور امام حسین کے سر مبارک کے قریب پہونچ کر بہت روئے اور فرمایا ۔

السلام علیك یا ولدی قتلوك ومن شرب الماء منعوك اتراہم ماعرفوك انا جدك المصطفٰی وھٰذا ابوك المرتضٰی وھٰذا اخیك الحسن وھٰذا عمك جعفر

سلام تجھ پر اے میرے لخت جگر افسوس کہ تجھے قتل کیا اور ایک گھونٹ پانی تجھ پر بند کیا تم یہ سمجھے ہو کہ وہ لوگ تمھیں نہیں پہچانتے ہیں تمھارا نانا مصطفٰی ہوں یہ تمھارے باپ علی مرتضٰی ہیں یہ تمھارے بھائی حسن ہیں اور یہ تمھارے چچا جعفر طیار ہیں ۔

یزید نے جب یہ پورا خواب سنا تو متفکر ہوکر سوچنے لگا اس کے بعد سیدنا امام زین العابدین رضی اللہ تعالٰی عنہ کو بلایا اور کہنے لگا کہ امام جو کچھ ہونا تھا ہو چکا ۔ اگر آپ یہاں رہنا چاہیں تو بخوشی قیام فرمائیں میں خدمت کیلئے حاضر ہوں اور اگر جانا چاہیں تو سفر کا انتظام کرا دوں

حضرت امام زین العابدین رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا کہ امام عالیمقام تو ہم سے جدا ہو ہی چکے ہیں دمشق میں بھی کوئی ہاشمی وقریشی باقی نہیں ۔ ڈھونڈ ڈھونڈ کر قتل کر دیئے گئے ۔ اب یہاں رہنے سے فائدہ بھی کیا اب تو یہی تمنا ہے کہ مدینہ میں جاکر روضہ رحمۃ للعالمین کی ٹھنڈی چھاؤں میں بقیہ زندگی گذار دوں ۔

ایک ہفتہ بعد یزید نے چند عمدہ لباس اور کچھ روپیہ حضرت زینب رضی اللہ تعالٰی عنہا کی خدمت میں پیش کیا اور کہنے لگا ۔

یازینب خذ ھذا المال عوضًا عن مصیبتکم	اے زینب یہ مال ومتاع آپ کی مصیبت کے بدلے پیش کرتا ہوں۔

حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو غصہ آیا۔ فرمانے لگیں۔

یا ویلك ما اقل حیاوك واجلب وجهك تقتل اخی وتقول خذ ذا عوضه مالاً۔	وائے تجھ پر۔ تجھے شرم نہیں آتی روسیاہ تو میرے بھائی کو قتل کرکے کہتا ہے کہ یہ عوض لے لو۔

یہ کہہ کر آپ نے سب مال واپس کر دیا۔

آخر کار یزید نے ایک ہزار سواروں کے ساتھ آپ کو مدینہ منورہ روانہ کر دیا۔ اور روانہ کرنے کے وقت سرہائے شہدار کو مشک وکافور سے معطر کرکے حضرت امام زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سپرد کر دیا۔

سادات کرام کا لٹا ہوا قافلہ دمشق سے روانہ ہو کر جب ۲۰ صفر المظفر کو میدانِ کربلا میں پہونچتا ہے تو دیکھا کہ لاشہائے شہدار کرام ابھی ویسے ہی بے گور وکفن پڑی ہیں۔ زخموں سے اسی طرح تازہ خون رواں ہے۔ اگرچہ گرمی کی شدت تھی لیکن ذرا بھی فرق نہ آیا تھا۔ امام زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہاں آکر قیام فرمایا اور شہدائے کرام کے سروں کو ان کے اجسام مقدسہ کے ساتھ ملا کر دفن کیا۔

اگرچہ روایات میں اختلاف ہے یعنی بعض حضرات کا قول ہے کہ سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سر مبارک شہر دمشق کے باہر دفن کیا گیا۔ اسی طرح لاشہائے شہداءِ کرام کے کفن ودفن کے سلسلہ میں بھی اختلاف ہے علامہ ابو اسحق اسفرائینی تو یہی لکھ رہے ہیں کہ ۲۰ صفر المظفر کو حضرت امام زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آکر میدان کربلا میں لاشہائے شہدار کو دفن کیا۔ اور بعض لوگوں نے یہ لکھا ہے کہ یزیدیوں کے میدانِ کربلا سے چلے آنے کے بعد نہر فرات کے قریب آباد غاضریہ نامی گاؤں کے باشندوں نے آکر دفن کیا جیسا کہ اس کا تذکرہ اس سے قبل آچکا ہے۔

اب ارض کربلا سے یہ قافلہ رحمت وبرکت والی سرزمین یعنی مدینہ طیبہ کی جانب روانہ ہوتا ہے۔ کیا کچھ گذرتی رہی ہوگی قلب اہلبیت اطہار پر کتنی الم انگیز کیفیت رہی ہوگی ان مظلومین اہلبیت کی۔ قلم میں جسارت نہیں کہ اس کا تذکرہ کیا جا سکے۔ بس ایک قیامت تھی جو گذر گئی۔ اور یہ انھیں کے عزم وحوصلہ کی پختگی تھی کہ مسکراتے ہوئے مصائب وآلام کی اس پُرخار وادی کے ہر کانٹے کے زخم کو برداشت کر لیا۔ اور یہ ظاہر نہ ہونے دیا کہ انھیں کوئی تکلیف ہوئی بلکہ یہ ثابت کر دیا کہ وفاشعاروں کیلئے راہِ محبوب کا ہر کانٹا پھول سے زیادہ نازک اور لطف انگیز ہوتا ہے۔

جس وقت اہلبیت اطہار کا قافلہ جوار مدینۃ الرسول میں پہونچتا ہے تو سب سے پہلے حضرت جابر بن عبداللہ نے اس کا خیر مقدم کیا پھر جیسے خبر ہوتی گئی اہل مدینہ جماعت در جماعت حاضر ہوتے گئے حضرت ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی یہ کیفیت تھی کہ زار و قطار رو رہی تھیں اور زبان پاک سے یہ عرض کرتی جا رہی تھیں

اے نانا جان ہم آپ کے دیار پاک میں حسرت بھرے دلوں سے لوٹ آئے ہیں۔ گئے تھے تو سایۂ پدری ہمارے سروں پر تھا اور ماؤں کی گودیں اولادوں سے بھری ہوئی تھیں لیکن آج ہم اس عالم میں لوٹے ہیں کہ سایہ پدر ہم سے جدا ہو چکا ہے۔ یتیمی کی کڑی دھوپ ہمارے سروں پر تپ رہی ہے۔ ماؤں کی گودیں سونی اور ویران ہیں۔ گئے تھے تو مسرت و شادمانی قدموں سے لپٹی ہوئی تھی اور آئے ہیں تو غم والم وابستۂ دامن ہیں۔ یہاں تھے تو صبر و سکون کی دولت سے مالا مال تھے اور آج لوٹے ہیں تو پریشانیاں دامن کشا ہیں۔ جانے کے وقت سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہمارے مونس و غمگسار تھے اور آج ہمارے مونس یاور ہم سے جدا ہو چکے ہیں اور ہماری آنکھیں اشکبار ہیں۔ ہمیں یقین ہے کہ ہر حال میں باری عزوجل ہمارا کفیل ہے اور ہم صبر و رضا پر ہر حال میں قائم ہیں۔ ہمارا دل ہماری آنکھیں اگر رو رہی ہیں تو صرف اور صرف فراق حسین میں۔ ہم آپ کی چہیتی اور لاڈلی بیٹیاں ہیں

لیکن اے محبوب خدا آج ہم پر یہ ظلم ہوا کہ ہم اونٹوں پر بے حجاب و بے پردہ سوار ہیں۔

امام زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سالار قافلہ کی حیثیت سے آگے آگے چل رہے تھے۔ جس وقت پہاڑیوں کے درمیان سے رحمۃ للعالمین کے گنبد خضرا کی نورانی تجلیاں نظر آئیں بے ساختہ زبان پاک پر درود شریف کے مبارک کلمات جاری ہو گئے زخمی دل کی ایک ایک چوٹ ابھر آئی۔ امام زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا وہ قلب مبارک جو کربلا سے لے کر کوفہ اور کوفہ سے شام تک پیش آنے والے ایک ایک مصائب و آلام کا سنگین چٹان بن کر مقابلہ کرتا رہا۔ گنبد خضرا نظر آتے ہی اسے یارائے صبر نہ رہا آنکھیں بلک پڑیں بے ساختہ پکارے۔

اے رحمۃ للعالمین اے بے کسوں کے فریادرس اے بے سہاروں کے سہارے آج میں آپ کے جگر گوشہ سیدنا امام حسین کو دشت بیکسی میں سُلا کر دائمی فرقت و جدائی کا غم لے کر حاضر بارگاہ ہوا ہوں۔

مدینہ کا ایک ایک گلی کوچہ ماتم کدہ بنا ہوا ہے۔ اہل مدینہ چیخ چیخ کر رو رہے ہیں۔ حضرت محمد بن حنفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیمار تھے حقیقت کا علم ہوتے ہی بے قرار ہو کر باہر نکل آتے ہیں۔ کمزوری حد سے زیادہ تھی چند قدم چلتے پھر بیٹھ جاتے۔ اہلبیت کی مظلومیت کو دیکھ کر زار و قطار رونے لگے۔ اور پکارے واحسیناہ واآخاہ۔ شدت غم نے

انھیں بے ہوش کر دیا۔ جب ہوش آیا تو فرمانے لگے افسوس میں یہاں رہا اور میرے بھائی حسین میدان کربلا میں مصائب وآلام سے دوچار رہے۔ لیکن مجھے خبر تک نہ ہوئی۔ کاش میں بھی وہیں ہوتا اور ان کے جھنڈے تلے اپنا سر کٹا کر محبت اہل بیت کا تمغہ حاصل کر لیتا۔

امام زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ روضہ رسول کریم کے قریب آئے دست بستہ کھڑے ہو کر عرض کرنے لگے۔

اے نانا جان دین کے دشمن ہم پر حکمرانی کر رہے ہیں اور قسم ہے اللہ عزوجل کی انھوں نے ہم سے متعلق اپنا ہر مقصد حاصل کر لیا ہے۔ اے نانا جان دشمنوں نے ہمارے والد محترم کو بڑی توہین وتحقیر کے ساتھ قتل کیا ہے۔ اور آپ کے جگر گوشہ میرے والد محترم امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ شدت کی بھوک اور پیاس کے عالم میں شہید ہوئے۔ دشمنوں نے ان کا سر مبارک کاٹ کر نیزوں پر بلند کیا۔ لیکن وہ سر مبارک نیزوں پر ایسا چمکتا تھا جیسے آسمان کی بلندیوں میں چودھویں کا چاند چمکتا ہے اور دشمنوں نے ہم پر مظالم کے پہاڑ توڑے ہمارے مال واسباب کو چھین لیا اور ہمارے خیموں کو لوٹ لیا ہے۔ ہمارا کوئی معاون ومددگار نہ تھا۔ انھوں نے ہماری ہجو اور توہین کرنے کیلئے اونٹوں کی ننگی پیٹھوں

پر سوار کر کے شہروں کے مشرق ومغرب میں گھمایا۔ اور دمشق میں لا کر یزید کے سامنے کھڑا کر دیا۔ یزید نے کہا میں نے تم سے اپنا مقصد حاصل کر لیا۔ اور تمہارے پدر معظم کے قتل سے مجھے خوشی ہوئی۔ اس نے تو چاہا کہ مجھے بھی قتل کر کے میری نسل کو منقطع کر دے لیکن میری پھوپھی زاد بہن دور سے پکاریں اور حاضرین نے شور مچایا تو یزید نے کہا کہ اسے چھوڑ دو کہ یہ آزادوں میں سے ہے۔ اے نانا جان کل قیامت میں اس سے ہمارا حق لیجیے اور کل حشر میں فیصلہ کے دن فیصلہ کیجیے۔

ادھر تو سیدنا امام زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ یزید کے پاس سے روانہ ہو کر مدینہ منورہ پہونچتے ہیں ادھر یزید کا پرانا مرض خبیث پھر عود کر آیا۔ یعنی اہل مدینہ سے اپنی بیعت لینے کا چنانچہ اس نے اپنے چچازاد بھائی عثمان بن محمد ابن ابی سفیان کو مدینہ منورہ روانہ کر دیا تاکہ اس کی طرف سے بیعت لے۔ عثمان نے مدینہ منورہ پہونچ کر ایک جماعت کو یزید کے ہاتھ پر بیعت کرنے کیلئے مدینہ منورہ سے دمشق بھیج دیا۔ لیکن جب یہ جماعت دمشق سے مدینہ واپس آئی تو یزید کے فسق وفجور کا آنکھوں دیکھا حال علی الاعلان اہل مدینہ کے سامنے بیان کرنے کے بعد بیعت توڑنے کا اعلان کر دیا۔ چنانچہ اہل مدینہ کے یزید کی طرف سے مقرر کردہ عامل مدینہ عثمان ابن

محمد کو مدینہ سے باہر نکال دیا۔ اور حضرت عبداللہ بن حنظلہ کے ہاتھ پر بیعت کرلی۔ لیکن حضرت منذر بن زبیر نے کہا کہ اے عبداللہ ابن حنظلہ تمہیں امام زین العابدین کے ہوتے ہوئے بیعت لینے کا حق کیسے پہونچ گیا یہ تو ان کی شان کے لائق ہے۔ چنانچہ حضرت ابن حنظلہ نے اپنی اس کوتاہی کا اعتراف کرتے ہوئے اجلہ صحابہ کی ایک جماعت لے کر حضرت امام زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمتِ بابرکت میں حاضری کا شرف حاصل کیا۔ حضرت امام نے دریافت فرمایا کہ مجھ جیسے مصیبت زدہ مظلوم کے پاس آپ حضرات کس لئے تشریف لائے ہیں۔ حضرت ابن حنظلہ آگے بڑھے اور تفصیل سے آنے کا مقصد بیان کرنے کے بعد عرض کیا کہ حضور ہم لوگ کوئی نہیں ہیں سرکار عالی کے جد امجد کے وفا شعار غلام ہیں۔ اپنی جانیں حضور کے قدموں پر قربان کرنے کا عہد کرتے ہیں۔ لہٰذا ہم غلاموں کی تمنّا ہے کہ حضور اپنے دست اقدس کو بڑھائیں تاکہ ہم سب حضور کے دستِ مبارک پر جاں فروشی کا عہد وفا باندھیں۔ یہ سُننا تھا کہ حضرت امام زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگ گئی۔ فرمایا خدارا اب یہ تذکرۂ بیعت وخلافت میرے سامنے نہ چھیڑو کہیں ایسا نہ ہو کہ دل کے مندمل ہونے والے زخموں سے پھر خون کی دھار پھوٹ پڑے میرے زخمی دل میں اب کسی نئے زخم کی گنجائش نہیں۔

کربلا کا ایک ایک منظر ہر وقت میرے پیشِ نظر ہے پس اب میں نے اس ذات سے اپنا معاملہ کر لیا ہے جو بے وفا نہیں۔ میں کہہ رہا ہوں وہ سن رہا ہے، میں اپنے دل کے زخموں کو اسے دکھا رہا ہوں وہ دیکھ رہا ہے، اس کے در کے ایک سجدۂ شوق پر ہزاروں تخت و تاج قربان۔ خدا را اب مجھے اس در سے ہٹانے کی کوشش نہ کرو میرا دل بہت دکھی ہے اب اسے اور نہ دکھاؤ۔

جب صحابہ نے اور زیادہ اصرار کیا تو آپ نے فرمایا کہ اگر میرا اس مدینہ میں رہنا آپ لوگوں کو پسند نہیں تو آج ہی میں اس غریب و مظلوم خاندان کو ساتھ لے کر کہیں ایسی جگہ چلا جاؤں گا جہاں کوئی میرا غم دوبارہ تازہ نہ کر سکے۔ صحابہ نے یہ کیفیت دیکھی تو خاموش ہو گئے۔ اور حضرت عبداللہ بن حنظلہ کی بیعت بدستور باقی رہی۔

حضرت عبداللہ بن حنظلہ فرماتے تھے کہ خدا کی قسم ہم نے صرف اس خوف سے یزید کی بیعت سے انکار کیا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم پر آسمان سے پتھر برسنے لگیں اور ہمارے اوپر عذابِ الٰہی کا نزول شروع ہو جائے۔

یزید چونکہ جانتا تھا کہ جب تک امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا وجود مبارک باقی ہے میری فاسقانہ وفاجرانہ تمنّاؤں کو آزادی نصیب نہیں ہو سکتی اس لئے کہ نواسۂ رسول میری کجروی اور بے راہ روی کو کسی قیمت پر برداشت نہ فرمائیں گے۔ لہٰذا ارض نینوا میں ظلم و ستم

کا یہ ڈراما اسٹیج کیا گیا اور یہی وجہ تھی کہ شہادتِ امام اس کیلئے مسرت کا باعث ہوئی۔

حضرت امام عالی مقام کا اس دارِ فانی سے کوچ کرنا تھا کہ یزید کھل کھیلا۔ زنا، لواطت، حرام کاری۔ بھائی بہن کا بیاہ۔ سود شراب بالاعلان رواج پاگئے، جہاں تک اس کی شقاوت اپنے جوہر دکھا سکی۔ گناہوں اور جرائم کے جتنے گل کھلا سکی اس میں کوئی کسر باقی نہ چھوڑی۔

یزید کی شقاوت و سیہ بختی کا اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ جس وقت اسے یہ اطلاع ملی کہ اہل مدینہ نے اسکی بیعت توڑ دی اور عامل مدینہ عثمان کو شہر سے باہر نکال دیا ہے تو آگ بگولہ ہو جاتا ہے، اور مدینہ منورہ پر حملہ کی تیاریاں شروع کر دیتا ہے۔ یزید کو مدینۃ الرسول پر حملہ کرنے والی شقی فوج کیلئے ایسے ظالم و جابر سالار کی ضرورت تھی جو اس کے ظلم و ستم کا ماہر کامل ہو۔ چنانچہ مثل مشہور ہے کہ "جویندہ یابندہ" ڈھونڈنے والا پا ہی لیتا ہے۔ یزید کی نگاہوں نے مسرف بن عقبہ جیسے سنگ القلب کو کھوج نکالا۔ جس وقت یزید مسرف کے پاس پہونچتا ہے اور مدینہ منورہ پر حملہ کرنے اور لوٹ مار کرنے کا ناپاک پروگرام پیش کرتا ہے تو باوجودیکہ مسرف فالج کے اثر سے قریب قریب اٹھنے بیٹھنے سے معذور تھا لیکن جوشِ شقاوت سے اٹھ کر بیٹھ جاتا ہے، اور قسم کھا کر کہتا ہے کہ اے امیر المومنین (یزید)،

آپ نے حصول مقصد کی خاطر اتنا صحیح انتخاب کیا ہے کہ مجھ سے بہتر کوئی دوسرا نہیں ہو سکتا اور یہ اہم کام میرے علاوہ کوئی دوسرا انجام بھی نہیں دے سکتا۔

یزید نے تقریباً بیس ہزار پیدل اور سوار فوج مسرف کی سرکردگی میں مدینہ منورہ کی جانب روانہ کر دی کہ اگر اہل مدینہ میری بیعت قبول کر لیں تو بہتر ہے ورنہ بلا روک ٹوک مسلمانوں کو قتل کرنا اور ان کا مال و اسباب لوٹ لینا اور کسی قسم کی رعایت نہ برتنا۔ خبیث مسرف خود تو انتہائی سنگدل جابر و ظالم تھا ہی لیکن یزید کے اس حکم نے جلتی پر تیل کا کام کیا۔ اس کی شقاوت و خباثت دوگنی ہو گئی۔ ہتھیاروں سے آراستہ یزیدی فوجیں مدینہ منورہ پر پوری قوت سے حملہ آور ہوئیں اہل مدینہ یزید کی ہتھیار بند فوجوں کے حملہ کی تاب نہ لا سکے۔

مسرف نے مدینہ منورہ پر غلبہ پاتے ہی اپنی فوج میں اعلان کر دیا کہ اہل مدینہ میں جسے پاؤ قتل کر دو جو سامان پاؤ لوٹ لو۔ اور میں نے مدینہ کی مسلمان عورتوں کو تم پر حلال کر دیا۔ اس حکم کا سننا تھا کہ یزیدی کھل کھیلے۔ تقریباً سترہ سو مہاجرین و انصار صحابۂ کرام و تابعین عظام شہید کئے گئے، سات سو حافظ قرآن، ۹۷ سرداران قریش اور تقریباً دس ہزار عام مرد و عورتیں اور بچے قتل کئے گئے یزیدیوں نے عام مسلمانوں کے ساتھ جو ناروا سلوک کیا وہ تو محتاجِ بیان نہیں۔ مقدس صحابۂ کرام

کے گھروں میں زبردستی داخل ہو کر وہ لوٹ مار مچائی اور بدتہذیبی و بیحیائی کا وہ ننگا ناچ ناچا کہ ایک باغیرت انسان اس کے خیال سے کانپ کانپ اٹھتا ہے۔ یزید کے بے شرم اور بے غیرت فوجیوں نے مدینہ منورہ کی مقدس خواتین کی بالجبر عصمت دری کی اور ان کے دامن عفت و عصمت کو تار تار کر کے رکھ دیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک ہزار عورتوں کے بطن سے ناجائز اولادیں پیدا ہوئیں۔

وہ مقدس مسجد نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جس کے فرشِ خاکی کو قدم ناز رسول ہی نہیں بلکہ سید المرسلین کی روشن پیشانی چومنے کا بھی شرف حاصل ہے جو نبی آخر الزماں کے باعظمت صحابۂ کرام کی مقدس عبادت گاہ ہے جس میں ایک نماز کا ثواب ستر ہزار نمازوں کے برابر ہے جس کا ایک ٹکڑا جنت کی کیاریوں میں سے ایک کیاری ہے۔ آج یزیدی کتّے اسی مسجد مقدس کے ستونوں سے اپنے گھوڑے باندھے ہوئے ہیں۔ کئی روز تک مسجد نبوی کتوں، بلیوں اور گھوڑوں کی لید سے آلودہ رہی۔

ایک سوال آج کے یزیدی جو یزید کی حمایت میں نہ جانے کتنے خود ساختہ باطل دلائل کا اظہار جا بجا کرتے پھرتے ہیں۔ کیا یہ بتانے کی زحمت گوارہ کر سکتے ہیں کہ یزید کو عداوت تھی تو اہل مدینہ سے اس لئے کہ انھوں نے اس کی بیعت سے انکار کیا تھا

لیکن مسجد نبوی نے اسے کیا نقصان پہونچایا اس کی کون سی سلطنت پر قبضہ کر رکھا تھا جس بنا پر مسجد نبوی کی حرمت و تقدس سے ایسا شرمناک گھناؤنا اور ناپاک کھیل کھیلا گیا۔ جس کی نظیر رہتی دنیا تک نہ مل سکے گی اور یزید کی یہ کیسی مسلمانی تھی کہ بنام اسلام خلافت کا دعویٰ اور مرکز اسلام کی اسی کے ہاتھوں یہ ذلت و رسوائی۔

اذان کی آواز حضرت سعید ابن مسیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جس وقت یزیدی مسجد نبوی کی عزت و حرمت پامال کر رہے تھے اس وقت میں ہی تھا جو دیوانہ وار مسجد نبوی کے در و دیوار سے لپٹ لپٹ کر آنسو بہایا کرتا تھا۔ شامی مجھے دیکھتے اور ہنستے ہوئے یہ کہتے گذرتے کہ یہ دیوانہ یہاں نہ جانے کیا کرتا رہتا ہے۔ نماز کا وقت آتا تو روضۂ مقدسہ سے اذان و تکبیر کی آواز آتی میں اسی سے اپنی نمازیں ادا کر لیتا تھا۔

یزیدیوں کی کمینہ پن کی مثال شاید ہی مل سکے کہ جب لوٹتے کھسوٹتے حضرت سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مکان میں پہونچے اور ان باعظمت جلیل القدر صحابی کے یہاں کچھ نہ پایا تو آپ کی داڑھی کے بال نوچ لئے اور انھیں بالوں کو لے کر چلے گئے۔

مدینہ اور اہل مدینہ پر مسرف کے مظالم کی اجمالی داستان آپ نے پڑھی۔ اب یہ شقی ازلی مدینہ منورہ سے جانب مکہ معظمہ روانہ ہوتا ہے

اس لئے کہ یزید نے حکم دیا تھا کہ مدینہ منورہ سے نپٹنے کے بعد مکہ معظمہ پر بھی حملہ کرنا۔

مسرف ابھی مکہ معظمہ پہونچا بھی نہیں تھا کہ راستہ ہی میں عذاب الٰہی نے اسے اپنے خوفناک پنجے میں جکڑ لیا اس کا پیٹ مواد اور پیپ سے بھر کر تنور کی مثل پھول گیا اور اتنی تکلیف بڑھی کہ ہر وقت تڑپتا رہتا تھا اور ایسی شدت کی تڑپ کہ جس کیلئے ماہیٔ بے آب کی تڑپ کی مثال کوئی مناسبت نہیں رکھتی۔ غرضکہ اسی تکلیف اور ذلت و رسوائی کے ساتھ موت نے اسے وادیٔ جہنم میں ڈھکیل دیا۔ مرتے وقت اس نے یزید کے کہنے کے مطابق حصین ابن نمیر کو اپنا چارج دے دیا۔

سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وصال کے بعد جب یزید تختِ حکومت پر قابض ہوا اور عامل مدینہ کے پاس اہل مدینہ سے بیعت لینے کیلئے احکام بھیجے تو اسی وقت سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مدینہ منورہ سے مکہ معظمہ چلے آئے تھے اور اہل مکہ نے عامل مکہ کو نکال کر حضرت عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کر لی تھی اور انھیں کو اپنا حاکم تسلیم کر لیا تھا۔ چنانچہ اس وقت سے لیکر آج تک جب کہ حصین ابن نمیر مکہ پر حملہ کرنے کی نیت سے آرہا تھا۔ مکہ مکرمہ میں سیدنا عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی کی حکومت تھی۔

حضرت عبداللہ ابن زبیر کا تذکرہ آگیا تو مختصراً آپ کا اجمالی تعارف پیش ہے جس سے اس بات کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ یزیدیت کیسی کیسی متبرک اور مقدس ہستیوں سے نبرد آزما ہوئی اور انھیں اپنے ظلم و ستم کا نشانہ بنایا۔

حضرت عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صاحبزادی حضرت اسما کے بلند اقبال صاحبزادے ہیں یعنی سیدنا ابوبکر صدیق کے نواسے۔ جب حضور سرور کائنات اور مسلمانان مکہ۔ مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ آگئے تو کفار مکہ کہتے تھے کہ مسلمانان مدینہ کی گود اولاد سے ہمیشہ خالی رہے گی اس لئے کہ ہم نے جادو کر دیا ہے۔

ہجرت نبوی کے بیس مہینہ بعد مسلمانوں میں سب سے پہلے جس بچہ کی پیدائش ہوئی وہ حضرت عبداللہ ابن زبیر ہیں۔ آپ کی پیدائش سے خود حضور کو اور مسلمانان مدینہ کو انتہائی مسرت ہوئی تھی۔ حضرت اسما رضی اللہ تعالیٰ عنہا جب آپ کو سرکار کی خدمت اقدس میں لے کر حاضر ہوئیں تو حضور نے اپنی گود میں لے کر ایک کھجور دندانِ مبارک سے کچل کر آپ کے منھ میں ڈال دی اور تالو پر لگا دیا نیز دعائے خیر و برکت فرمائی۔

یزیدی فوجیں مدینہ منورہ میں اپنی کمینگی کا کھلا ہوا مظاہرہ

کرنے کے بعد حصین ابن نمیر کی سرکردگی میں مکہ معظمہ پر حملہ آور ہوئیں۔

جس وقت یزیدی فوجیں مکہ مکرمہ پہونچیں پہلے تو حضرت ابن زبیر نے مکہ معظمہ کے باہر ہی حملہ آوروں کا مقابلہ کیا لیکن حالات کو سازگار نہ پایا تو شہر میں واپس آکر دروازے بند کرالیے۔ یزیدیوں نے چاروں طرف سے مکہ معظمہ کا محاصرہ کر لیا۔ ان کی نگاہِ بد میں نہ تو مدینۃ الرسول کی کوئی عظمت وقعت تھی اور نہ بیت اللہ شریف کی۔ یہاں بھی اپنی خباثت اور کمینہ پن کے اظہار میں کسر نہیں اٹھا رکھی۔ منجنیق کے ذریعہ خانۂ کعبہ پر مسلسل اتنی کثرت سے سنگ باری کی کہ صحنِ کعبہ میں ہر طرف پتھروں کے ڈھیر نظر آتے تھے۔ مسجد حرام کے کئی ستون شہید کر دیئے۔ غلاف کعبہ جلا دیا۔ بیت اللہ شریف کے دروازے کا پردہ نکال کر آگ میں ڈال دیا۔ یہاں تک کہ وہ مینڈھا جو جنت سے حضرت اسمٰعیل کے فدیہ میں آیا تھا اس کی دونوں سینگیں خانہ کعبہ کی چھت میں لگی ہوئی تھیں یزیدیوں نے ان کو بھی نہ چھوڑا جلا کر خاک کر ڈالا۔

غرضکہ کئی دن تک خانہ کعبہ بغیر لباس کے رہا۔ اچانک ایک دن غیرتِ حق کے جلال کے آثار آسمان سے ظاہر ہوئے۔ انتہائی تیز اور پریشان کن ہوا چلنے لگی اور آسمان سے آگ برسنے لگی۔ جس منجنیق کے ذریعہ خانہ کعبہ پر سنگ باری کی جا رہی تھی

وہ منجنیق اور اس کے چلانے والے سب کے سب جل کر خاک سیاہ ہو گئے۔ ابھی یزیدی اس قہر الٰہی کو دیکھ کر سہمے ہوئے تھے کہ اسی دن ان کو یزید پلید کی موت کی اطلاع ملتی ہے۔ حصین ابن نمیر اور اسکے کمینے ساتھی ابھی کعبہ معظمہ اور مکہ مکرمہ کی عزت و آبرو سے جی بھر کر کھیل بھی نہ سکے تھے کہ مرگ یزید نے ان میں انتشار پیدا کر دیا۔ یزید کے شامی فوجی انتہائی سراسیمگی کے عالم میں بھاگ کھڑے ہوئے۔

○

یزیدیوں کا عبرتناک انجام

قاتلان امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے ساتھیوں میں سے کوئی شخص ایسا نہ رہا جو موت سے پہلے منہ ذلیل ہوا ہو۔ وہ سب کے سب قتل ہوئے یا اکثر مصائب میں گرفتار ہوئے۔ (سوانح سمنوئم)

ایک لاکھ چالیس ہزار

حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر حضرت یحییٰ علیہ السلام کی شہادت کے متعلق وحی آئی کہ اے محبوب یحییٰ بن زکریا کے سر کے بدلے میں نے ستر ہزار آدمی مارے اور آپ کے لاڈلے حسین کے بدلے میں ایک لاکھ چالیس ہزار نابکاروں کو ہلاک کرونگا۔

آتشیں تابوت

صحیفہ رضویہ جو حضرت علی موسیٰ رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تصنیف کردہ ایک بہترین کتاب ہے اسمیں آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ قاتلین امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک آتشیں تابوت میں ہوں گے۔ لوہے اور آگ کی زنجیروں سے ان کے ہاتھ پیر بندھے ہوئے ہوں گے اور اس تابوت سے اس قدر بدبو آتی ہوگی کہ دوزخ کے فرشتے بھی خدا سے پناہ مانگیں گے۔

معاویہ ابنِ یزید

یزید کے مرنے کے بعد اس کے مشیر کاروں نے زبردستی اس کے بیٹے معاویہ ابن یزید کو تخت پر بٹھا دیا اگرچہ وہ برابر انکار کرتا رہا۔ معاویہ ابن یزید ایک صالح اور متقی شخص تھا۔ اراکین سلطنت کے اصرار سے مجبور ہو کر تخت حکومت پر بیٹھ کر ایک خطبہ پڑھا جس میں اس بات کا صاف اعتراف و اعلان تھا کہ خلافت نہ تو میرا حق ہے نہ تو میرے باپ دادا کا حق تھا۔ لہٰذا میں تخت خلافت سے دست بردار ہوتا ہوں۔ یہ اعلان کرنے کے بعد معاویہ ابن یزید نے جو گوشہ نشینی اختیار کی تو چالیسوں دن انتقال کے بعد ہی اس گوشہ سے نکلے۔

معاویہ ابن یزید کے انتقال کے بعد مروان ابن حکم اپنی چالاکی اور عیاری سے تخت پر قابض ہو گیا لیکن اسے زیادہ دن حکومت کرنے کا موقع نہ مل سکا ۶۵ھ میں موت نے اسے بھی آ دبوچا۔ مرتے

وقت اس نے اپنے بیٹے عبدالملک ابن مروان کو اپنا جانشین بنا کر شام و مصر کی حکومت اس کے حوالہ کردی۔

اس وقت کیفیت یہ تھی کہ حجاز و اطراف حجاز میں حضرت عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت قائم تھی۔ اور شام و مصر میں عبدالملک ابن مروان کی حکومت تھی۔ کوفہ پر نہ تو حضرت عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اثر و اقتدار تھا اور نہ ہی عبدالملک ابن مروان کا کوئی اختیار تھا۔ عجیب کشمکش کی حالت تھی۔ اس صورتِ حال سے فائدہ اٹھاتے ہوئے مختار ابن عبید ثقفی نے کوفہ پر اپنا پورا پورا تسلط جما لیا۔ یہ مختار ابن عبید ثقفی وہی شخص ہے جس کے یہاں امام مسلم نے سب سے پہلے قیام کیا تھا اور اسی کے مکان میں اہل کوفہ سے حضرت امام حسین کی بیعت لی تھی۔ مختار ابن عبید ثقفی نے بر سر اقتدار آتے ہی اس بات کا قطعی عہد کیا کہ کربلائی ظالموں میں سے ایک کو بھی نہ چھوڑوں گا اور خون امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا پورا پورا بدلہ لوں گا۔ چنانچہ مختار نے یہ کیا کہ سب سے پہلے ان ظالم کمینوں کو گرفتار کرایا جنھوں نے قتل امام کا بیڑا اٹھایا تھا۔

شمر اور ابن سعد کا انجام

لہٰذا اس سلسلے میں سب سے پہلے شمر اور ابن سعد گرفتار کرکے مختار کے سامنے پیش کئے گئے۔ مختار نے دیکھتے ہی پوچھا کہ تم لوگ وہی

ہوناجن کے حکم سے ساقی کوثر کے نواسوں پر پانی بند کیا گیا۔ اور کربلا کی تپتی ہوئی ریتیلی زمین پر تڑپا تڑپا کر شہید کیا گیا۔ اے ابن سعد اے شمر سچ بتانا کہ اس ظلم بے حد کے بدلے تمھیں کتنی دولت ملی۔ ظالموں تمھیں ذرا بھی غیرت نہ آئی کہ جن کا کلمہ پڑھتے تھے انھیں کے نواسہ پر یہ ظلم وستم۔ جلاد۔ ان دونوں کمینوں کو میرے سامنے تڑپا تڑپا کر ذبح کرتا کہ ان کی عبرت ناک موت دوسروں کیلئے سبق آموز ہو۔ موت کے خوف سے دونوں خبیث کانپنے لگے چہرہ زرد ہو گیا۔ گڑگڑا کر رحم کی درخواست کی۔ اور کہا کہ ہم نے از خود کوئی کام نہیں کیا بلکہ ابن زیاد نے ہمیں حکم دیا تھا۔ مختار نے کہا تمھیں اور رحم کی بھیک دی جائے ناممکن۔ جب تمھیں رحمۃ للعالمین کی آل پر رحم نہیں آیا تو مختار کو تم پر رحم نہیں آسکتا رہ گیا ابن زیاد کا معاملہ اسے بھی چھوڑا نہیں جائے گا۔ تم آگے چلو ابن زیاد بھی تمھارے پیچھے آرہا ہے۔ اے جلاد اب زیادہ دیر کرنے کی ضرورت نہیں۔ انہیں فوراً قتل کرتا کہ جتنی جلدی ہوسکے زمین ان کے ناپاک بوجھ سے ہلکی ہو جائے۔

عمر سعد اور شمر کے قتل کے بعد مختار نے حکم دیا کہ۔

میدان کربلا میں جتنے لوگ ابن سعد کے ساتھ نواسۂ رسول کے مقابلہ میں گئے تھے انھیں جہاں پاؤ قتل کردو۔

اِس اعلان کا سننا تھا کہ کربلا کے میدان میں جانے والے کوفی بصرہ کی جانب بھاگنے لگے لیکن مختار کی فوجوں نے ان کا پیچھا کیا جس کو جہاں پایا قتل کر دیا۔ لاش جلادی مکان کا سارا مال لوٹ لیا۔

خولی بن یزید یہ وہ شخص ہے جس نے امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سر مبارک کو جسم اطہر سے جدا کیا تھا اور نیزے پر ٹانگا تھا۔ جب یہ گرفتار ہو کر مختار کے سامنے لایا گیا تو اسے دیکھتے ہی مختار غصہ سے کانپنے لگا۔ حکم دیا کہ اسے فوراً چومیخہ کرواسکے بعد اس کا ہاتھ پیر کاٹو تاکہ دنیا اس دشمنِ اہلبیت کا عبرت ناک تماشہ جی بھر کر دیکھ لے۔ چنانچہ خولی کو اسی ذلت و رسوائی کے ساتھ قتل کرکے اس کی لاش کو جلا کر خاک کر دیا گیا۔

تقریباً چھ ہزار ظالم کوفیوں کو مختار نے طرح طرح کی تکلیفوں میں مبتلا کرکے قتل کیا۔ ان ظالم کوفیوں نے اب قتل ہوتے وقت جانا کہ دستِ بیکسی میں مرنے اور حالتِ بیچارگی میں قتل ہونے کی کیفیت کیا ہوتی ہے۔ انھیں یہ بھی معلوم ہو گیا کہ دین چھوڑنے اور دنیا طلب کرنے کا انجام کیا ہوتا ہے۔

فتنہ انگیز اور ظالم کوفیوں کو قتل کرنے کے بعد اب مختار کو ابن زیاد کا خیال آیا۔ ابراھیم ابن مالک ابن اشتر کو بلایا اور کہا کہ میں نے کوفیوں کے فتنہ کو فرد کرنے کیلئے تمہیں بلایا تھا البتہ اب

واپس جاکر ابن زیاد کے مقابل اپنے بھائیوں کی مدد کرو اور شرط اللہ کو
بھی اپنے ساتھ ضرور لیتے جانا کہ اس کی برکت سے تمھیں فتح نصیب
ہوگی۔ چنانچہ ابراھیم ابن مالک شرط اللہ کو لے کر اپنے لشکر پہونچے
اور پوری فوج کو تیار کر کے کوچ کر دیا۔

شرط اللہ یہ ایک کرسی تھی جو حضرت علی کے ایک صاحبزادے
حضرت طفیل کے پاس تھی۔ حضرت علی کرم اللہ تعالٰے
وجہہ الکریم اسی کرسی پر بیٹھ کر مقدمات کا فیصلہ کیا کرتے تھے۔ جب
آپ کو شہادت نصیب ہوئی تو یہ کرسی حضرت طفیل کے حصّہ میں آئی۔
جب مختار نے کوفہ میں اپنی حکومت قائم کی تو حضرت طفیل کی خدمت
میں بیش قیمت تحائف پیش کر کے ان سے وہ کرسی حاصل کر لی۔
اور جامع مسجد دمشق میں ایک قیمتی صندوق میں مقفل کر کے رکھ
دیا۔ جس دن جامع مسجد دمشق میں وہ صندوق رکھا گیا تو مختار نے
کھڑے ہو کر حاضرین مسجد کے سامنے ایک تقریر کی۔

حضرات! شیعوں کے واسطے یہ کرسی شرط اللہ اسی
طرح معتبر ہے جس طرح مسلمانوں کیلئے مقام ابراہیم
اور بنی اسرائیل کیلئے تابوت سکینہ۔ یہ کرسی جس
لشکر کے ساتھ رہے گی وہ اپنے سے ہزار گنا زیادہ
لشکر پر بھی غالب آ کے گا۔ فتح ونصرت کے فرشتے اس

کے ساتھ ہیں۔ یہ شیر خدا مولا علی کا نشان ہے اور
اب دنیا بھر میں شیعوں کا بول بالا رہے گا۔

ابن زیاد یہ وہ شخص ہے جس کے ترتیب کردہ پروگرام کے
مطابق میدانِ کربلا میں ظلم وستم کا ڈرامہ اسٹیج کیا
گیا تھا۔ اب کوفہ سے اپنی جان بچاکر موصل کی طرف جا رہا تھا۔
بیس ہزار کا لشکر ساتھ تھا۔ ابراھیم ابن مالک نے اسے موصل
پہونچنے سے پہلے ہی راستہ میں روک لیا۔ چونکہ شام ہو چکی تھی اس
لئے رات میں جنگ ملتوی کر دی گئی۔ اس وقت ابن زیاد کا سالار
لشکر عمر ابن اسلمی تھا جو کبھی ابراھیم ابن مالک کا دوست تھا۔ رات
کو خفیہ طریقہ پر آکر ابراھیم سے ملاقات کی اور کہا کہ میں اس لئے آیا
ہوں کہ کل جب معرکۂ کارزار گرم ہو تو میں اپنی فوج کے ساتھ تم
سے آکر مل جاؤں تاکہ ظالم ابن زیاد کو بدترین ذلت نصیب ہو
اور مجھے بھی اس کی غلامی سے نجات ملے۔ کیا کروں جبراً اس کے
ساتھ ہوں۔ عمرو بن اسلمی کی گفتگو نے ابراھیم کی ہمت اور بندھا
دی اور انھیں اپنی فتح کا یقین کامل ہو گیا۔

جب صبح کو جنگ شروع ہوئی تو ابراھیم ابن مالک نے دیکھا کہ
عمرو بن اسلمی کی فوج بڑی جانبازی کے ساتھ ان کی فوج پر حملہ آور ہے
کافی دیر انتظار کے بعد جب عمرو بن اسلمی نہ آیا تو ابراھیم پر یہ بات

واضح ہوگئی کہ یہ اس کی ایک جنگی چال تھی چنانچہ ابراہیم ابن مالک نے شرط اللہ اٹھائی اور پورے جوش کے ساتھ ابن زیاد کی شامی فوج پر حملہ کر دیا۔ ابن زیاد کی فوج اس حملہ کی تاب نہ لاسکی قدم اکھڑ گئے۔ ابن زیاد جو ابھی تک شریکِ جنگ نہ ہوا تھا اپنی فوج کی یہ کیفیت دیکھ کر خیمہ سے باہر نکل پڑا اور تلوار کھینچ کر پوری شدت کے ساتھ ابراہیم کی فوج پر حملہ کر دیا۔ ساتھ ہی ساتھ پکارا کہ اے شامی بہادرو دشمن کی تعداد بہت تھوڑی ہے۔ کیوں گھبراتے ہو بڑھو اور کامیابی کو اپنے گلے سے لگالو۔ ابن زیاد کی اس مختصر تقریر سے شامیوں میں دوبارہ جوش پیدا ہوگیا۔ لوٹ پڑے اور گھمسان کی لڑائی شروع کر دی مگران کا یہ جوش عارضی تھا۔ ابراہیم کے سپاہی شرط اللہ کو دیکھ کر اس قدر بے باک اور نڈر ہوکر لڑ رہے تھے کہ شامیوں کی ایک بھی نہ چلی۔ صبح کو جنگ شروع ہوئی تھی اور اب شام ہونے کے قریب تھی کہ ابراہیم کی فوج کا ایک کوفی سپاہی آگے بڑھ کر ابن زیاد کے سینے پر برچھے کا ایسا وار کرتا ہے کہ ابن زیاد گھوڑے کی پشت پر الٹا جھک جاتا ہے۔ اور اس سے پہلے کہ شامی اسے بچالیں اس کوفی نے دوسرا ہاتھ تلوار کا ایسا مارا کہ کندھے سے لے کر کمر تک جسم دو ٹکڑے ہوگیا۔ ابن زیاد کا قتل ہونا تھا کہ شامی فوج بھاگ کھڑی ہوئی۔ ابراہیم نے ابن زیاد کا سر کاٹ کر مختار کے پاس کوفہ بھیج دیا۔

یہاں یہ کیفیت ہوئی کہ مختار نے ابن زیاد کے سر کے آنے سے تین دن پہلے ہی یہ اعلان کر دیا کہ بہت جلد ابن زیاد کا سر کوفہ کے دارالامارۃ میں آنے والا ہے۔ اس اعلان سے چہ میگوئیاں شروع ہوگئیں کہ مختار بھی انبیار کی طرح دعویٰ علم غیب کرتا ہے۔ لیکن جب تیسرے دن ابن زیاد کا سر آگیا تو تمام کوفی حیرت زدہ رہ گئے۔ یہ وہی مختار ہے جو شروع میں محب اہلبیت رہا اور بعد میں دعویٰ نبوت بھی کیا۔

جب ابن زیاد کا سر مختار کے پاس پہونچا تو اس نے کوفہ کے دارالامارۃ میں ایک عظیم مجلس منعقد کی اور جس جگہ ابن زیاد نے امام عالی مقام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سر مبارک کو رکھا تھا وہیں مختار نے اس کا سر رکھا اور جس جگہ ابن زیاد نے امام کے سر مبارک کو لٹکایا تھا وہیں مختار نے اس کا بھی سر لٹکایا۔

ترمذی شریف میں ہے کہ جس وقت ابن زیاد اور اس کے ساتھیوں کے سر کوفہ کے دارالامارۃ میں مختار کے سامنے رکھے گئے تو سیاہ رنگ کا ایک بہت بڑا سانپ نمودار ہوا جو تمام سروں پر سے گھومتا ہوا ابن زیاد کے سر کے قریب آیا اور اس کے ایک نتھنے سے اندر گھس کر تھوڑی دیر بعد دوسرے نتھنے سے باہر نکل آیا اسی طرح سات بار وہ سانپ گھسا اور نکلا پھر غائب ہوگیا۔

حرملہ بن کاہل یہ وہ شقی ازلی ہے جس نے حضرت علی اصغر کے تشنہ حلقوم پاک پر ایسا تاک کر تیر مارا تھا کہ

حلقوم پاک کو چھیدتا ہوا بازوئے امام میں پیوست ہوگیا تھا۔ اس پر منجانب الٰہی یہ عذاب نازل ہوا کہ پیٹ کی جانب سامنے کے حصّہ میں ہر وقت شدید ترین جلن ہوتی رہتی تھی اور پشت کی جانب سخت قسم کی سردی کا احساس رہتا تھا چین نہ ملتا۔ پیٹ کی گرمی سے نجات پانے کیلئے ہر وقت پنکھا جھلتا تھا اور پیٹھ کی سردی دفع کرنے کیلئے پیچھے آگ جلاتا تھا۔ کچھ دنوں کے بعد پیاس کی اتنی شدت بڑھ گئی کہ ہر وقت پانی پیتا رہتا تھا مگر پیاس نہ جاتی تھی اور ایک دن انھیں مصائب و آلام نے اسے جہنم کی وادی تک پہونچا دیا۔

جابر ابن یزید ازدی یہ وہ شخص ہے جس نے امام حسین کے جام شہادت نوش فرمانے کے بعد سر مبارک سے عمامہ شریف اتارا تھا یہ بدنصیب پاگل ہوگیا۔ گندی نالیوں کا پانی پیتا اور جانوروں کی لید کھاتا ہوا مرا۔

جعونہ حضرمی یہ وہ بدنہاد شخص ہے جس نے بعد شہادت امام عالی مقام کے جسم اطہر سے پیراہن مبارک اتار کر خود پہن لیا تھا۔ کوڑھی ہوگیا۔ اس کے جسم کا ایک ایک عضو سڑ گیا اور اسی موذی اور گھناؤنے مرض میں اس کی ناپاک روح نکلی۔

اسود بن حنظلہ یہ وہ خبیث ہے جس نے امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تلوار لی تھی مرض برص میں مبتلا

ہو کر انتہائی ذلت و خواری کی حالت میں موت سے ہمکنار ہوا۔

شمر یہ وہ خبیث ترین انسان ہے جس نے سینۂ امام عالی مقام پر چڑھ کر حلقوم پاک پر خنجر چلایا تھا۔ اس کی بدترین ذلت و خواری کا اندازہ صرف اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ جب یہ مرا اس وقت اس کی شکل سور کی شکل میں تبدیل ہوگئی۔

خولی بن یزید اس کا تذکرہ پہلے بھی آچکا ہے قتل ہونے سے پہلے خدائے قہار کی جانب سے اس پر عذاب کے مؤکل مقرر کردیئے گئے تھے جو ہر رات میں اس کو اوندھا لٹکا کر اس کے نیچے آگ جلاتے تھے پھر مختار نے اسے قتل کرا کے آگ میں جلوا دیا۔ غرضکہ ابن سعد۔ شمر۔ قیس بن اشعث۔ خولی بن یزید۔ سنان بن انس۔ عبید اللہ بن قیس۔ یزید بن مالک وغیرہ ظالم کربلائیوں کو مختار نے سخت ترین عذاب کے ساتھ قتل کرکے ان کی ناپاک لاشوں کو گھوڑوں کی ٹاپوں سے روند کر ہڈیاں تک چور چور کرادیں اور انھیں خاک میں ملا دیا۔

یزید کی موت یزید کیسے مرا؟ اس حقیقت کو جاننے کیلئے ہر نظر اٹھی ہوئی ہے۔ ہر کان اس کے سننے کیلئے بے چین ہے۔ یزید کی موت کے سلسلے میں تین روائتیں ملتی ہیں۔ (۱) یزید ایک دن اپنے انتہائی رازدار مصاحب سرجون ابن منصور

کے ساتھ شکار کیلئے جا رہا تھا۔ راستہ میں ایک رومی النسل پادری کی لڑکی پر یزید کی نگاہ پڑ گئی۔ ہوس کار تو تھا ہی بے چین ہو گیا۔ اب روزانہ کا دستور بنا لیا کہ اس گرجے تک آتا اور واپس چلا جاتا۔ محض اس خیال سے کہ کوئی سبیل نکل آئے کہ اپنا مقصود پالوں ایک دن لڑکی نہا کر اپنے مکان کی چھت پر بال سکھا رہی تھی۔ یزید کی نگاہ جب پڑی تو تاب ضبط نہ رہی دیوانہ وار پکارنے لگا۔ لڑکی نے سوچا کہ اس خبیث کی مثال تو ایسی ہی ہے جیسے کہ چاند کو دیکھ کر کتا بھونکنے لگتا ہے۔ یہ ہوس پرست میرے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑ گیا ہے۔ اپنے وقت کا بادشاہ ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ کسی وقت میری عزت و ناموس کو اپنی طاقت و قوت کے ذریعہ تباہ و برباد کر دے۔ جب اس نے اپنے نبی کی آل پر ظلم و ستم کرنے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی تو میں تو غیر ہوں اس کا دست ظلم کہاں باز رہ سکتا ہے۔

لہٰذا اس خبیث کی ہوس کاریوں سے محفوظ رہنے کا صرف ایک ہی طریقہ ہے کہ اس بوالہوس کو کسی طرح قتل کر دیا جائے اور اگر اس سلسلے میں جان سے ہاتھ دھونا پڑے یہ گوارا ہے لیکن اپنی عصمت کو داغدار بنایا جائے یہ گوارا نہیں چنانچہ یہ سوچ کر اپنے باپ سے مشورہ کیا پادری نے کہا مجھے تمہاری رائے سے اتفاق ہے۔ اس کے بعد جب پھر یزید آیا تو لڑکی نے اشارہ کیا کہ تو تنہا آ تب ملاقات کی کوئی صورت ہو سکتی

ہے۔ چنانچہ یہ ہوس پرست دوسرے دن تنہا پادری کے مکان پر پہونچ جاتا ہے۔ لڑکی پہلے ہی سے گھوڑے پر زین ڈالے تیار کھڑی تھی۔ یزید کے پہونچتے ہی گھوڑے پر سوار ہو کر ساتھ روانہ ہو جاتی ہے یہاں تک کہ یہ دونوں حمص کے قریب دشت حوارین میں پہونچ جاتے ہیں۔ یہاں کا موسم بڑا ہی خوشگوار تھا۔ یزید نے شراب تو پی ہی رکھی تھی یہاں کی ٹھنڈی ہوا نے نشہ کو دو گنا کر دیا۔ لڑکی نے موقع پا کر اپنے گھوڑے کو تھوڑا سا پیچھے کیا اور عبا میں چھپائی ہوئی تلوار نکال کر اس زور کا وار کیا کہ یزید گھوڑے سے نیچے گر گیا۔ لڑکی اپنے گھوڑے سے نیچے کودی اور یزید کے سینے پر سوار ہو کر کہنے لگی کہ او بد طینت جب تو نے اپنے نبی کے نواسہ پر رحم نہ کھایا اور اس بارگاہ میں جہاں سے تجھے ایمان و اسلام کی بھیک ملی تھی وفادار نہ رہ سکا تو تجھ سے کون امید وفا کر سکتا ہے۔ بس اب یہ تیرا آخری وقت ہے یہ کہہ کر اپنی تلوار سے یزید کے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے دو تین روز تک چیل کوے اس کے جسم کے ٹکڑوں کو نوچتے کھاتے رہے۔ اس کے بعد اس کے بہی خواہ تلاش کرتے ہوئے پہونچے اور وہیں دفن کر دیا۔

(۲) کثرت شراب خوری نے یزید کے پھیپھڑوں کو بالکل بیکار کر دیا تھا۔ ہر وقت نشہ میں دھت رہتا تھا کتے اس کے ارد گرد رہا کرتے تھے۔ زانی حد درجہ کا تھا۔ چند روز امراض کبدی میں رہ کر دست پھرتا ہوا جہنم رسید ہوا

اور شہر دمشق کے باہر اس کو دفن کیا گیا۔

(۳) علامہ ابو اسحٰق اسفرائینی نے اپنی کتاب نور العین فی مشہد الحسین میں تحریر فرمایا کہ ایک دن یزید اپنے ایک ہزار لشکر کے ساتھ شکار کھیلنے نکلتا ہے۔ شہر دمشق سے دو دن کی راہ طے کر کے ایک میدان میں پہونچتا ہے اچانک اس کی نگاہ ایک ہرن پر پڑی اس کے پیچھے اپنا گھوڑا ڈال دیا ہرن ایک لق و دق خوفناک میدان میں پہونچ کر غائب ہو گیا۔ یزید کا پورا لشکر اس سے دور نہ جانے کہاں رہ گیا۔ البتہ اس کے دس لشکری اس کے ساتھ یہاں تک پہونچ آئے تھے۔ پیاس نے اتنا تڑپایا کہ یزید اور اس ساتھی ایڑیاں رگڑتے ہوئے جہنم میں پہونچ گئے۔ اس دن سے اس وادی کا نام ہی پڑ گیا "وادیٔ جہنم"

ہزاروں یزیدی تو مختار کی تلوار سے قتل ہوئے۔ بہت سے قسم قسم کی تکلیفوں میں مبتلا ہو کر موت کے گھاٹ اترے، بعض کے منھ ایسے سیاہ اور بھیانک ہو گئے کہ دیکھنے والوں پر خوف کا غلبہ ہو جاتا تھا۔ بعض اندھے ہو گئے، بعض بھوک سے تڑپ تڑپ کر مرے۔

شامیوں میں سے ایک شخص جو قاتلین امام میں سے تھا اس کا منھ سور جیسا ہو گیا تھا لوگ اس کی طرف دیکھتے ہوئے خوف محسوس کرتے تھے۔

ابو نعیم نے روایت کیا ہے کہ کربلائی ظالموں میں سے ایک کا عضو تناسل اس قدر دراز ہو گیا تھا کہ وہ اسے کمر کے گرد لپیٹ کر یا کاندھے پر رکھ کر چلتا تھا۔

بوڑھا جل مرا

ابو الشیخ نے روایت کیا کہ کچھ لوگ بیٹھے ہوئے آپس میں تذکرہ کر رہے تھے کہ جس نے بھی امام عالی مقام کے قتل میں ذرا بھی امداد و اعانت کی وہ ضرور کسی نہ کسی عذاب میں مبتلا ہوا۔ ایک بوڑھا یزیدی بیٹھا تھا کہا کہ میں بھی تو معرکۂ کربلا میں شریک تھا اور امام کے مخالفین میں سے تھا لیکن مجھے تو آج تک کچھ بھی نہ ہوا۔ اچانک اس محفل میں جلنے والا چراغ بجھنے لگا یہ بوڑھا اس کی بتی درست کرنے اٹھا جیسے اس نے بتی کو ہاتھ لگایا پورے بدن میں آگ لگ گئی۔ بے تحاشہ آگ آگ چلاتا ہوا بھاگا اور دریائے فرات میں کود پڑا۔ مگر یہ تو قہر الٰہی کی آگ تھی۔ ایک فرات کیا کل زمین کا ایک ایک قطرہ پانی بھی اس پر ڈال دیا جاتا تو بجائے بجھانے کے تیل کا کام کرتا۔ انجام کار اسی آگ میں جل کر جہنم کی آگ میں پہونچ گیا۔

شعلہ بھڑکا

سدی کہتے ہیں کہ کربلا میں ایک شخص نے میری دعوت کی دعوت میں اور بھی لوگ شریک تھے آپس میں گفتگو کرنے لگے کہ جو بھی آل رسول کا خون بہانے میں شریک تھا ذلت کی موت مرا۔ میزبان نے کہا کہ یہ بات غلط ہے ایک تو میں ہی زندہ و سلامت

موجود ہوں۔ حالانکہ میں بھی یزیدی لشکر میں تھا اور میں نے بھی اہلِ بیت اطہار اور ان کے رفقاء کا مقابلہ کیا تھا۔ رات کا پچھلا پہر تھا یہ شخص بھی چراغ کی بتی درست کرنے اٹھا ابھی چراغ تک ہاتھ بھی نہ پہونچا تھا کہ چراغ سے آگ کا ایک شعلہ بھڑکا اور اس کے پورے جسم کو جلا کر کوئلہ بنا دیا۔

ایک سلائی

امام واقدی رحمۃ اللہ تعالیٰ عنہ نے روایت کیا کہ ایک بوڑھا شخص اندھا ہو گیا تھا۔ اس سے لوگوں نے پوچھا کہ تو اندھا کیسے ہو گیا۔ اس نے کہا کہ میں نے خواب میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیکھا کہ سرکار کے دست اقدس میں ننگی تلوار ہے اور سامنے امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دس قاتل ذبح کئے ہوئے پڑے ہیں۔ حضور نے مجھ پر نگاہ غضب ڈالتے ہوئے فرمایا کہ تو نے موجود رہ کر اس گروہ کو شہ دی اور یہ فرما کر خون امام کی ایک سلائی میری آنکھوں میں لگا دی۔ جب صبح کو میں اٹھا تو اندھا تھا۔

اشارۂ انگشت

ایک بوڑھے نے خواب میں حضور کو دیکھا کہ سامنے ایک طشت ہے۔ اس میں خون بھرا ہوا ہے۔ کچھ لوگ ہیں جو حضور کے سامنے پیش کئے جاتے ہیں۔ حضور ان پر اسی خون کا دھبہ لگا دیتے ہیں۔ جب اس بوڑھے کی باری آئی تو اس نے عرض کیا کہ سرکار میں تو موجود نہ تھا۔ حضور نے فرمایا کہ دل سے تو

چاہا تھا پھر اپنی انگشت مبارک سے اس کی جانب اشارہ فرمایا۔ صبح کو اٹھا تو اندھا تھا۔

منصور کہتے ہیں میں نے شام میں ایک شخص کو دیکھا کہ اس کا منھ سور جیسا ہو گیا تھا۔ لوگوں نے اس سے جب اس کی وجہ پوچھی تو کہا میں مولا علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم اور ان کی اولاد پاک پر لعنت کیا کرتا تھا۔ ایک رات میں نے خواب میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیکھا کہ امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور کی بارگاہ میں اس کی شکایت کر رہے ہیں۔ حضور نے اس خبیث کی شکایت سن کر اس پر لعنت فرمائی اور اس کے منھ پر تھوک دیا تو اس کا چہرہ سور کا ہو گیا۔

خلیفہ مامون رشید نے ایک مرتبہ اپنے وزیر سے کہا کہ علماء میں سے کسی ایسے عالم کو میرے پاس لاؤ جس نے کوئی انتہائی حیرت انگیز بات سنی ہو یا بچشم خود دیکھا ہو۔ وزیر اس وقت کے ایک ایک عالم کے پاس گیا لیکن کوئی بھی ایسا نہ ملا جو اس کے مقصد کو پورا کر سکتا ہو۔ وزیر کو خیال آیا کہ اسی شہر میں ایک عالمہ اور زاہدہ خاتون محترمہ بھی ہیں چل کر وہاں قسمت آزمائی کی جائے۔ چنانچہ جس وقت وزیر ان کے پاس پہونچا ان خاتون محترم نے وزیر کے سوال کرنے سے پہلے ہی فرمایا کہ فلاں جگہ پر ایک ایسا آدمی ہے جس سے تو اپنا مقصد حاصل کر سکتا ہے۔ جب وزیر ان عارفہ کے بتلائے ہوئے پتہ پر پہونچا ہے تو دیکھتا کیا ہے کہ وہاں ایک ایسا شخص موجود ہے۔ جس کے نہ

ہاتھ ہے نہ پیر نہ آنکھیں۔ بالکل اپاہج۔ وزیر نے سوچا کہیں ان خاتون محترم نے مذاق تو نہیں فرمایا۔ پھر ان کے پاس لوٹ کر آیا اور کیفیت بیان کی۔ ان عارفہ نے فرمایا کہ اے وزیر! بادشاہ کو اس شخص کے ہاتھ پیر آنکھ سے تو کوئی مطلب نہیں۔ کام زبان سے ہے اور زبان اس کے منھ میں موجود ہے۔ اے وزیر تو اسی شخص کو بادشاہ کے پاس لے جا اس لئے کہ وہ ایک انتہائی عجیب اور عمدہ بات جانتا ہے۔ چنانچہ وزیر اس کو ہودج میں بٹھا کر مامون رشید کے پاس لے گیا:

مامون رشید نے اس سے سوال کیا کہ اے شخص۔ تم ایسے ہی اپاہج پیدا ہوئے ہو یا بعد میں کسی حادثہ کے سبب تم میں یہ عیوب پیدا ہوئے ہیں۔ اس نے جواب دیا کہ اے امیر المومنین یہ سب ایک حادثہ کا نتیجہ ہیں۔ میں ایک بہت مالدار تاجر تھا میرے پاس ایک بحری جہاز بھی تھا جس کے ذریعہ میں دوسرے ممالک میں تجارت کرتا تھا۔ ایک دفعہ میں نے جہاز میں مال لادا میرے ساتھ ایک ہزار مسلمان مرد بھی تھے ہم لوگ روانہ ہوئے۔ ایک دن اچانک ایک چٹان سامنے آئی جہاز اس سے ٹکرا کر ٹکڑے ٹکڑے ہوگیا۔ سب لوگ ڈوب گئے میں نے کسی صورت سے ایک تختہ کا سہارا لے لیا۔ وہ تختہ موجوں کی روانی کے ساتھ کبھی دائیں اور کبھی بائیں بہتا رہا۔ ایک دن موجوں نے میرے تختہ کو ایک بہت بڑے پہاڑ کے سوراخ میں ڈھکیل دیا۔ میرا تختہ اس سوراخ

میں پانی کے اوپر نہ جانے کب تک بہتا رہا۔

کچھ عرصہ کے بعد میں نے زمین کی صورت دیکھی لیکن وہ زمین ہماری زمین کی طرح نہ تھی بلکہ اس کا رنگ پیلا تھا۔ میں نے وہاں اتر کر وضو کیا اور دو رکعت نماز پڑھی۔ نماز سے فارغ ہو کر چاروں طرف نگاہ دوڑائی تو کچھ دور پر ایک مکان نظر آیا۔ میں اس کی طرف چل دیا قریب پہونچ کر معلوم ہوا کہ وہ ایک بہت وسیع آباد محل ہے۔ محل کے سامنے ہی ایک حوض ہے جس میں انتہائی صاف شفاف سفید پانی بھرا ہوا ہے اور اس حوض کے اوپر ایک شخص کو پھانسی پر لٹکا دیا گیا ہے اور اس کے سر پر لکڑیاں جل رہی ہیں وہ شخص اس آگ میں جل رہا ہے۔ اور چیخ چیخ کر کہتا ہے کہ اس رب تعالیٰ کے نام پر جو رحمٰن و رحیم ہے کوئی پانی کا ایک گھونٹ پلا دے میں پیاس سے بے تاب ہوں۔

اے امیر المومنین اس منظر کو دیکھ کر میں سخت خوفزدہ ہوگیا اور مجھ پر انتہائی ضعف طاری ہوگیا۔ یہاں تک کہ اٹھنے کی طاقت بھی نہ رہی لیکن پھانسی پر چڑھے شخص کی حالت زار کو دیکھ کر مجھے بڑا ترس آیا۔ میں نے کہا اے شخص میں تجھے پانی پلاتا ہوں۔ میرا اتنا کہنا تھا کہ ایک غیبی ندا سننے میں آئی کہ اے اللہ کے بندے کیا تو عدو اللہ (اللہ کے دشمن) کو پانی پلائے گا۔ یہ سن کر میں ڈر گیا اور پانی پلانے کا ارادہ ترک کر کے محل میں داخل ہوگیا۔ محل کے اندر ایک جگہ ایک بہت بڑا گدّا دیکھا

جس میں آگ ہی آگ بھری ہوئی تھی اور اس میں بہت سے لوگ جل رہے
تھے اور کہہ رہے تھے۔ " اس خداوند کریم کیلئے جو رحمٰن و رحیم ہے ہمیں
اس آگ سے نکالو۔" میں نے چاہا کہ ان لوگوں کو آگ سے نکال لوں لیکن
یہ ارادہ کرنا ہی تھا کہ پھر وہی غیبی ندا سنائی پڑی گھبرا کر محل سے باہر نکل
آیا۔ جس وقت اس سولی پر چڑھے ہوئے شخص کے پاس سے گذرا تو
اس کی بے چارگی دیکھ کر بڑا ہی رحم آیا پانی لے کر پلانے کا ارادہ کیا ہی
تھا کہ پھر وہی غیبی ندا سنائی دی۔ " ہم نے تجھے پہلے بھی منع کیا تھا
لیکن تو باز نہیں آیا ہم نے تجھے یہ سزا دی کہ تیرے اعضا ختم ہو جائیں گے۔"
پھر وہی ہوا جو اللہ تبارک و تعالیٰ نے چاہا۔ میرے ہاتھ پیر آنکھیں ختم
ہو گئیں اور ایک ندا سنائی دی کہ اگر تو چاہے تو یہ عذاب دنیا میں برداشت
کر ورنہ آخرت میں اسی طرح کے عذاب کو جہنم میں پسند کرلے۔ میں نے
عرض کی مجھے یہ عذاب اسی دنیا میں ہی دے دیا جائے۔ پھر میں نے
اس پھانسی پر چڑھے ہوئے شخص اور آگ کے گڑھے میں جلنے والے
لوگوں کے متعلق سوال کیا کہ یہ کون لوگ ہیں تو جواب ملا کہ پھانسی پر
لٹکنے والا یزید پلید ہے اور قیامت تک اسی طرح مبتلائے عذاب
رہے گا۔ اور آگ میں جلنے والے اس کے معاون و مددگار نیز وہ
لوگ ہیں جو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے احکامات کی کوئی شان
نہیں سمجھتے اور سنت رسول کو ضائع کرتے ہیں، اس کو ہلکا سمجھتے ہیں

قیامت تک اسی طرح عذاب میں مبتلا رہیں گے اور قیامت میں جب
تک اللہ تعالیٰ چاہے گا عذاب میں مبتلا رکھے گا۔ یہ واقعہ تھا جو میرے
ساتھ پیش آیا تھا۔ پھر ہزاروں دقتوں اور مشقتوں کے بعد گھر واپس آیا۔

دوزخ کا سانپ

دوزخ میں ایک بہت بڑا سانپ ہے جس
کو شدید کہتے ہیں ہر روز وہ ستّر مرتبہ
لرزتا ہے اور اس کے جسم سے زہر ٹپکتا ہے۔ مولا تعالیٰ اس سے
ارشاد فرماتا ہے کہ اے شدید کیا چاہتا ہے۔ شدید عرض کرتا ہے
کہ اے رب قاتلین امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مجھے دے دے
میں ان پر اپنا زہر ڈالوں۔ اللہ جل شانہٗ ارشاد فرماتا ہے۔ اے
شدید ٹھہر کہ قاتلین امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو میں تیرے حوالہ
کروں گا کہ تو جس طرح چاہے ان کو عذاب دے۔

امام حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں ایک شخص برابر
میرے پاس آتا تھا کہ مجھ سے مسائل شرعیہ سیکھے۔

بدبودار منھ

لیکن اس کے منھ سے ایسی سخت بدبو آتی تھی جس
کا برداشت کرنا بہت دشوار تھا۔ ایک دن میں
نے اس سے اس بدبو کے متعلق پوچھا کہ کیا وجہ ہے کہ تیرے منھ سے
ایسی نفرت انگیز بدبو آتی ہے۔ وہ شخص انتہائی شرمندہ ہوا اور کہنے لگا

کہ میں اس گروہ سے ہوں جو دریائے فرات پر اس لئے پہرہ دے رہا تھا کہ امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خیمہ میں پانی کا ایک قطرہ نہ جانے پائے۔

واقعہ کربلا کے بعد ایک رات میں نے خواب میں دیکھا کہ قیامت قائم ہے اور میں سخت پیاس کے عالم میں ہوں، چاروں طرف پانی تلاش کرتا ہوں لیکن پانی نہیں ملتا، اچانک میں نے دیکھا کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم و حضرت علی و حضرت فاطمہ و حضرت حسن و حضرت حسین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین و چند دیگر اکابر صحابۂ کرام حوض کوثر کے کنارے بیٹھے ہیں اور سامنے کچھ کھڑے ہیں اور کچھ لوگ ہیں جو پیاسوں کو آبِ کوثر پلا رہے ہیں۔ میں بھی سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور جام کوثر کا سوال کیا۔ کوثر پلانے والوں نے سرکار کی بارگاہ میں عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یہ شخص ان لوگوں میں ہے جو دریائے فرات پر اس لئے پہرہ دے رہے تھے کہ آپ کے جگر گوشہ امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خیمہ میں پانی کا ایک قطرہ نہ جانے پائے۔ یہ سن کر سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "اسقوہ قطرانا" اس کو قطران پلا دو۔ چنانچہ انھوں نے مجھے قطران پلا دیا۔ خواب میں قطران کا پینا تھا کہ میں بیدار ہو گیا اور اسی وقت سے یہ بدبو میرے منھ میں پیدا ہو گئی اور ہر وقت یہ بدبو رہتی ہے۔ یہاں تک میں جو چیز بھی کھاتا ہوں قطران بن جاتی ہے۔ جس کی وجہ سے لوگ مجھ سے سخت نفرت کرتے

ہیں۔ حضرت امام حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ واقعہ سن کر مجھے اس سے سخت نفرت ہو گئی اور میں نے اس کو سختی کے ساتھ منع کر دیا کہ آئندہ اب میرے پاس مت آنا۔ چنانچہ وہ شخص چلا گیا اور چند ہی دنوں کے بعد ذلت کی موت مر گیا۔

سُوَر جیسا مُنھ

ابوالمفاخر روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص کو لوگوں نے حرم کعبہ شریف میں دیکھا کہ اس کے چہرے پر نقاب ہے اور وہ خانہ کعبہ کا طواف کر رہا ہے اور طواف کرتے وقت یہ کہتا ہے کہ یا اللہ مجھے بخش دے حالانکہ تو مجھے نہ بخشے گا۔ حرم کعبہ شریف کے مشائخ نے اس سے کہا اے شخص اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ناامیدی کفر ہے تو کتنا بڑا گنہگار سہی مگر اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو۔ اس شخص نے کہا کہ اے لوگو آؤ میرا قصہ سنو تاکہ جان لو کہ میری ناامیدی کی وجہ کیا ہے۔ لوگوں نے کہا سنا۔ اس نے کہا میں اس لشکر میں شامل تھا جس نے میدان کربلا میں امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جنگ کی ہے اور امام عالی مقام کی شہادت کے بعد میں ان سواروں کے ساتھ جو امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سر مبارک ملک شام لے جا رہے تھے ہم لوگ پچاس آدمی تھے جو شہدائے کرام کے سروں کی نگہبانی پر مامور تھے ہمارے ساتھیوں کا معمول تھا کہ رات میں شہدائے کرام کے سروں کو درمیان میں رکھ کر چاروں طرف سے گھیرا ڈال کر بیٹھ جاتے اور شراب نوشی کیا کرتے

اگرچہ میں ان سے دور رہتا اور کبھی کبھی اپنی اس بدحالی پر افسوس بھی کرتا تھا۔ ایک رات میرے تمامی ساتھی شراب نوشی کے بعد بدمست ہوکر سوگئے میں جاگ رہا تھا اچانک میں نے دیکھا کہ سرِ پاکِ امام حسین پر ایک نورانی خیمہ تنا ہوا ہے اور چند نورانی صورتیں فضا میں نظر آرہی ہیں۔ اور ایک شخص سبز لباس پہنے اور سفید عمامہ باندھے میرے سرہانے کھڑا ہے۔ میں نے پوچھا کہ یہ کون لوگ ہیں۔ جواب ملا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ کے مقرب فرشتے ہیں۔ پھر تھوڑی ہی دیر میں انبیاکرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی ایک مبارک جماعت بھی تشریف لائی اور سب کے آخر میں اللہ کے پیارے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے اہلبیت اطہار اور صحابۂ کرام کے ساتھ تشریف لائے۔ سب نے یکے بعد دیگرے امام عالی مقام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سرِ مبارک کو بوسہ دیا اور پیار فرمایا۔ فرشتوں کی ایک جماعت جن کے ہاتھوں میں آگ کے گرز تھے، سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں عرض کرتے ہیں کہ سرکار اجازت ہو تو پہرہ دینے والے ان نابکاروں کو ہلاک کردیں۔ سرکار نے انھیں اجازت دے دی۔ ان فرشتوں نے آگ کے گرزوں سے اونچاس آدمیوں کو جلاکر خاک کردیا۔ جب میرے قریب آئے تو میں نے فریاد کی "الامان یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ " دور ہو اللہ تجھے نہ بخشے " لہٰذا اے لوگو مجھے یقین ہے کہ میری بخشش نہ ہوگی۔ لوگوں نے پوچھا کہ چہرے پر نقاب کیوں ڈال رکھی

ہے۔ کہنے لگا اس خوفناک واقعہ کی وجہ سے میرا چہرہ بدل گیا ہے۔ جب لوگوں نے زیادہ اصرار کیا تو اس نے اپنے چہرے سے نقاب کو ہٹایا۔ لوگوں نے دیکھا کہ اس کا چہرہ بالکل سور جیسا ہوکر سیاہ ہوگیا ہے اور دانت انتہائی خوفناک طریقہ پہ باہر نکلے ہوئے ہیں۔ مشائخِ حرم نے اس سے کہا کہ اے شخص جتنی جلد ہوسکے تو ہم سے دور ہوجا کہیں ایسا نہ ہوکہ تیری وجہ سے ہم پر بھی کوئی بلا نازل ہوجائے اس شخص نے چہرہ پر نقاب ڈالی اور روانہ ہوگیا۔ ابھی دس قدم ہی چلا ہوگا کہ بجلی کی تیز چمک ظاہر ہوئی اور اسے جلاکر خاک کردیا۔

کوفہ کا دارالامارہ

عبدالملک ابن عمر لیثی کہتے ہیں کہ میں نے کوفے کے اس دارالامارہ میں امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سر مبارک ابن زیاد کے سامنے رکھا دیکھا۔ اس کے بعد اسی جگہ عبیداللہ ابن زیاد کا سر مختار بن عبید ثقفی کے سامنے رکھا دیکھا اس کے بعد اسی جگہ مختار بن عبید ثقفی کا سر حضرت مصعب بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے رکھا دیکھا۔

کہتے ہیں کہ جب میں نے عبدالملک بن مروان سے ان واقعات کا ذکر کیا تو وہ کانپنے لگا۔ اور فوراً ہی دارالامارۃ سے باہر نکل کھڑا ہوگیا۔ اور دارالامارۃ کی جانب دیکھ کر کہنے لگا کہ اب اس مکان کو پانچواں سر دیکھنا نصیب

نہ ہو اور یہ کہہ کر دارالامارۃ کو مسمار کرا دیا۔

یہ تو یزید اور اس کے متبعین کی دنیاوی سزا کا اجمالی تذکرہ تھا باقی رہا آخرت کے عذاب کا عالم کیا ہوگا اور اس کی کیفیت کیا ہوگی اس کا علم اللہ اور اس کے رسول کو ہے۔ البتہ اس دنیاوی عذاب کے عالم کو دیکھ کر آخرت کے عذاب کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے اور وہاں کے دردناک عذاب کا قیاس کیا جا سکتا ہے ؎

نماند ستمگار بد روزگار
بماند برو لعنت پائدار

اس کتاب کی ترتیب میں مندرجہ ذیل کتابوں سے مدد لی گئی ہے
• نور العین فی مشہد الحسین • سوانح کربلا • اوراقِ غم • روضۃ الشہدا
• سعادت الکونین فی فضائل الحسنین

صبرِ حسینؓ منزل بہ منزل

امام الشہداء، شہیدِ کربلا، سید الصابرین حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کی ذات ستودہ صفات کی ہر نسبت بلند، ہر وصف اعلیٰ، ہر ادا جمیل، مگر ولادت سے شہادت تک، مدینہ منورہ سے کربلائے معلیٰ تک صبر کی منزلوں کو جس پائیداری اور استقامت سے آپ نے معراجِ کمال تک پہنچایا اس کی مثال رہتی دنیا تک ممکن نہیں۔ نگاہِ نبوت تو آپ کی ولادتِ باسعادت سے قبل ہی آپ کے اوصافِ جمیلہ اور کمالاتِ جلیلہ کو دیکھ رہی تھی جس کے شواہد احادیث اور کتب سیر و تاریخ میں واضح طور پر پائے جاتے ہیں، حوالہ جات سے صرف نظر کرتے ہوئے جدید انداز میں پیش کرنے کی جسارت کر رہا ہوں۔ اُمید ہے کہ قارئین خصوصاً محبانِ حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سکونِ روحانی کا باعث ہوں گے۔

چار ہجری کی ایک صبح، سید الانبیاء صلے اللہ علیہ وسلم کا شانۂ فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا میں جلوہ افروز ہوئے ہی تھے کہ آپ کی آغوش میں حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ کو ڈال دیا گیا خوشی و مسرت کے ساتھ حزن و ملال کے آثار بھی جبینِ نبوت پر نمایاں ہوئے اور رحمۃ للعالمین صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم چہرۂ حسین پر نظر جمائے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ہاتھ پھیلائے ہوئے دعا مانگ رہے تھے: "اَللّٰھُمَّ اَعْطِ لِحُسَیْنٍ صَبْرًا وَّ اَجْرًا" "الٰہی میرے حسین کو صبر و اجر عطا فرما!"

کسی بچے کی ولادت پر اپنی نوعیت کی پہلی اور آخری انفرادی دعا ہی سننے پڑھنے میں آتی ہے، اس کے علاوہ پیدائش کے موقع پر صبر و اجر کے دعائیہ کلمات کسی بھی بزرگ ولی، قطب، غوث، امام، محدث، فقیہ، تابعی یا صحابی کی زبان سے وارد ہوئے ہوں کہیں ان کا نشان نہیں ملتا۔

ولادتِ حسین کے ساتھ ساتھ شہادتِ حسین تک کے تمام مراحل نگاہِ مصطفےٰ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم میں ایک ایک کر کے آ رہے تھے اور زبانِ نبی صلے اللہ تعالیٰ ان مشکل ترین مراحل میں، امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سعادت کے لئے اپنی دعا کو شامل فرما رہے تھے

اَللّٰهُمَّ اعطِ الحسین صبرًا واجرًا "اے اللہ میرے حسین کو ابتلاء و آزمائش کی ساعتوں
میں صبر و اجر کے زیور سے آراستہ فرما!" سوال پیدا ہوتا ہے جب نگاہِ نبوت میں
مصائب و آلام کے بھیانک مرحلے ولادت کے وقت ہی آ چکے تھے تو صبر و اجر کی
بجائے مصائب و آلام کے خاتمہ کی دعا فرماتے اور ایسے نازک ترین امتحان سے
امام حسین با آسانی محفوظ رہ جاتے، سوال کرنا آسان ہے مگر ایمان کے رموز، نتیجے
اور ثمرات پر بھی تو حضورؐ کی نگاہ تھی۔ تفصیل میں جانے سے پہلے ہم صبر اور ایمان کے
باہمی تعلق و ربط سے متعلق دریافت کرتے ہیں کہ آخر صبر کی نعمتِ عظیم دولت ہے جس کی
طلب اپنے محبوب نواسے کے لئے خداوندِ عالم سے کی جارہی ہے؟

حضرت سیدنا امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے صبر کی تعریف دریافت کی
گئی تو آپ نے فرمایا اَلصَّبْرُ بِالْاِیْمَانِ کَالرَّأْسِ بِالْجَسَدِ اِذَا ذَهَبَ الصَّبْرُ
ذَهَبَ الْاِیْمَانُ کَالرَّأْسِ اِذَا ذَهَبَ الْجَسَدُ "صبر ایمان کے ساتھ اس طرح لازم
ہے جس طرح سر جسم کے ساتھ، جب صبر نکل جائے تو ایمان بھی ختم ہو جاتا ہے جیسے
سر کٹ جائے تو جسم بے جان ہو جاتا ہے۔" گویا کہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم
حسین کو گرداب بلا میں دیکھ دیکھ کر صبر نہیں بلکہ ایمان حسین کی حفاظت طلب
کر رہے ہیں۔ حقیقتاً وہ تمام مصائب و آلام جو شہیدِ کربلا پر چھپن (۵۶) سال بعد
آنے والے تھے آپ پر پہلے ہی آ چکے ہیں تب ہی تو فرمایا جا رہا ہے۔ الحسین
مِنّی و انا من الحسین۔ جہاں انتہائی محبت کا اظہار مقصود ہو وہاں دوسرے
کو اپنی ذات کی نسبت سے پکارنا ضرب المثل تھا۔ ان کلمات کا حقیقی مفہوم تو صاحبِ
ارشاد صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی جانتے ہیں تاہم وقتاً مطابقت بھی ایک دن ام الفضل
رضی اللہ تعالیٰ عنہا پریشانی کے عالم میں بارگاہِ رسالتمآب صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
میں حاضر ہوتی ہیں جبکہ امام حسین رضی اللہ عنہ ابھی متولد نہیں ہوئے تھے۔ نبی اکرم
صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام الفضل رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے پریشانی کا سبب
دریافت کیا تو عرض کیا سرکار! آج میں نے ایک بڑا خطرناک خواب دیکھا ہے وہ
یہ کہ آپ کے جسم کا ایک ٹکڑا کٹ کر میری گود میں آ پڑا ہے۔ چنانچہ یہ منظر دیکھتے ہی
میں پریشانی کے عالم میں بیدار ہوئی اور اب تک اسی غم میں مبتلا ہوں کہ یہ کیسا

خواب ہے؟

حضور سید عالم صلے اللہ علیہ وسلم مسکرائے اور فرمایا یہ بڑا مبارک خواب ہے
میری لختِ جگر، نورِ نظر سیدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اللہ تعالیٰ اب جو
فرزند عطا فرمائے گا وہ تیری گود میں کھیلے گا۔ وہ حسین میرے جسم کا ٹکڑا ہی تو ہو گا۔
الحسین منی و انا من الحسین" کی یہ بھی ایک عمدہ سی تعبیر ہو سکتی ہے۔

ذرا گذشتہ سطور پر پھر نظر دوڑایئے اور غور کیجئے جب صبر کے ایمان سے
تعلق اتنا گہرا ہے اور یہ دونوں آپس میں لازم و ملزوم قرار پائے تو نبی کریم صبر کے
پردہ میں امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایمان کی حفاظت و صیانت کے لئے
دعا کی۔ اللّٰھم اعط الحسین صبرًا و اجرًا۔ اب صبر کا سلسلہ شروع ہوتا ہے ابھی
سات سال کے نہیں ہو پائے کہ سید عالم نبی مکرم رسول معظم صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
جن کی شفقت و رحمت، رافت و لطافت میں بڑی ناز برداری سے پروان چڑھ رہے
تھے ۱۲ ربیع الاول ۱۱ھ میں اس دارِ فانی سے عالمِ بقا کی طرف تشریف لے
جاتے ہیں جن کی گود سے لے کر کندھوں تک پیار ہی پیار مل رہا تھا، محبت
ہی محبت کے گلدستے جمع فرما رہے تھے، مودت و الفت کے جھولے جھلائے
تھے اور بچپنے میں ہی زبانِ نبوت سے عظمت و شوکت کے نورانی کلمات سے
محظوظ ہو رہے تھے۔ الحسن والحسین ھما ریحانی فی الدنیا، حسن و حسین
دنیا میں میرے پھول ہیں"۔ اور پھر پھولوں کی طرح سونگھا کرتے۔ صحابہ کرام یہ منظر
دیکھتے تو آپ فرماتے مجھے ان سے جنت کی خوشبو آتی ہے، یہ تو جنتی نوجوانوں
کے سردار ہیں۔ یوں بھی حسن و حسین کے مبارک اجسام کا خوشبو سے معطر ہونا
بعید از عقل و قیاس نہیں کیونکہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے تو مبارک پسینے سے ایسی
خوشبو پائی جاتی تھی جس کی کوئی مثال نہیں دی جا سکتی۔ اسی لئے تو کہا گیا ہے ؎

عطرِ جنت میں بھی اتنی خوشبو نہیں
جتنی خوشبو نبی کے پسینے میں ہے

حسنین، نبی کریمؐ کے مشکبار خوشبو ہیں جن کی خوشبو سے زمانہ آج بھی مہک
رہا ہے۔ پھول پودے پر زیادہ دیر تک زندہ رہتا ہے۔ اور جب پھول کی خوشبو
نبی کریم پا رہے ہیں اس کی زندگی پر قرآن ناطق ہے: "جو اللہ کی راہ میں قتل

کئے جائیں انہیں مردہ نہ کہو، وہ زندہ ہیں، بلکہ یہاں تک حکم ہوا کہ انہیں مردہ گمان بھی نہ کرو، انہیں رزق دیا جاتا ہے۔ تو جس بھول کی زندگی کی شہادت قرآن دے رہا ہو وہ پودا تو بطریق اولیٰ تر و تازہ ہوگا جس کا یہ پھول ہے۔ پتہ چلا حسین زندہ تو اصل بھی زندہ جو رحمۃ للعالمین صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا وجودِ مسعود ہے۔

تو زندہ ہے واللہ تو زندہ ہے واللہ = میری چشمِ عالم سے چھپ جانے والے

ہاں صبر کی پہلی منزل رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی مفارقت و جدائی تھی اور دوسری منزل چھ ماہ بعد از وصالِ مصطفےٰ، آپ کی والدہ ماجدہ سیدہ طیبہ طاہرہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا وصال فرمانا ہے، جن کی گود میں آپ نے آنکھیں کھولیں، جو چکی چلاتے وقت بھی آپ کو خود سے جدا نہ کرتی تھیں۔ جو قرآن کریم کی لوریاں سناتیں، ہر قسم کے لاڈ لڈاتیں، جن کی محبت کو دیکھ کر فرشتے بھی آکر آپ کا جھولا جھلانے کی سعادت حاصل کرتے۔ وہ والدہ ماجدہ جب حسین باہر کھیل کے لئے جاتے تو کاشانۂ اقدس کے دروازے پر منتظر رہتیں، جنہیں علم تھا کہ میرا بیٹا بڑی آزمائش سے دوچار ہوگا اور مشکل ترین امتحانات کا سامنا کرنے والا ہے، وہ تمام باتیں ایک ایک کرکے یاد کرتیں اور دعائیں مانگتیں کہ الٰہی میرے حسین کو صبر و استقامت کی گرانمایہ دولت سے نواز۔ ۳ ماہِ رمضان ۱۱ھ کو وہ بھی حسین پر محبت کی آخری نگاہ ڈالتی اور صبر کا درس دیتی ہوئیں خالقِ حقیقی کے فرمان پر لبیک کہہ گئیں۔

اب گھر میں بھائی حسن اور والد ماجد علی المرتضیٰ شیرِ خدا اور دیگر اہلِ خانہ رضی اللہ عنہم موجود ہیں۔ مگر جس قلبی و روحانی امتحان میں آپ مبتلا ہو چکے ہیں ان کی خبر کسے معلوم! شب و روز دو مزاروں پر حاضری معمول ہے اور ہر لمحہ ان مشفقین کی شفقتوں کی یاد تازہ مگر صبر کا دامن اس مضبوطی سے تھام کر حرفِ شکایت زبان پر لانا خلافِ عزیمت سمجھتے۔

وقت گزرتا گیا۔ یہاں تک کہ آپ کے والد ماجد مولائے کائنات علی المرتضیٰ شیرِ خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کا صبر آزما دور شروع ہوا۔ ماہِ رمضان چالیس ہجری میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شہید کر دیا گیا۔ آپ کے دلِ اقدس پر کیا گزری ہوگی، بیان سے باہر ہے مگر نبی کریم صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی دعا اس مرحلے میں آپ

کے ساتھ ہے اَللّٰھُمَّ اعطِ الحسین صبراً و اجراً۔ "الٰہی میرے حسین کو صبر و اجر عطا فرما۔"

والد ماجد کی شہادت سے ابھی آپ سنبھلے بھی نہیں پائے تھے کہ شبیہ مصطفےٰ حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ پچاس ہجری میں تمغۂ شہادت سے سرفراز ہوتے ہوئے آپ کا صبر و استقامت اختیار کرنے کی مہر تلقین فرما رہے ہیں۔

یکے بعد دیگرے غم و آلام اور مصائب و مشکلات کے پہاڑ آپ پر ٹوٹ رہے ہیں مگر آپ کے صبرِ جمیل سے ٹکرا ٹکرا کر ریزہ ریزہ ہو جاتے ہیں۔

اکسٹھ ہجری (۶۱ھ) کا محرم تو اپنی تمام تر آزمائشوں ابتلاؤں اور غموں کے ہجوم لئے طلوع ہوا۔ یزیدی افواج کے عمل و کردار نے اسلام و شریعت کو اپنی ہوس کا نشانہ بنانا شروع کیا۔ خواہشاتِ نفسانیہ کو شریعت کا نام دیا جانے لگا۔ محبانِ مصطفےٰ پر چاروں طرف سے یورش شروع ہو گئی۔ خصوصاً صحابہ کرام اور اہلِ بیتِ رسولِ کریم کو مدینہ طیبہ میں نشانۂ ظلم و ستم بنایا جانے لگا۔ یزید نے اپنی خلافت کو مضبوط کرنے کے لئے سخت ترین گورنر مقرر کر دیئے اور انہیں تاکیدی احکام جاری کئے جو شخص میری بیعتِ خلافت پر رضامند نہ ہو اسے ختم کر دیا جائے۔ کوفہ پنجۂ استبدادِ یزید میں پھنس چکا تھا۔ لوگوں نے شریعت و اسلام کے دفاع کے لئے آپ سے کوفہ تشریف لانے کی درخواستیں کیں۔ خطوط اور رسائل کے کئی آدمیوں کو آپ کی خدمت میں بھیجا اور عرض گزار ہوئے جتنی جلد ممکن ہو کوفہ تشریف لایئے۔

آپ نے دل پر پتھر رکھ کر مدینہ طیبہ سے اسلام کی خاطر جدائی اختیار کی۔ نانا جان سے جدائی الوداعی کا یہ بوجھ کتنے صبر و تحمل سے برداشت کیا ہوگا۔ حافظ کہنے والے نے کیا خوب کہا ہے

بگذار تا بگریم چوں ابر نو بہاراں
از سنگ گریہ خیزد روزِ وداعِ یاراں

مدینہ چھوڑا، مکہ چھوڑا، کوفہ کی طرف روانہ ہوئے۔ ہر محبِ صادق نے منت سماجت کی کوشش جانیے۔ مگر آپ کی ڈیوٹی تو بوقتِ ولادت ہی لگ

چکی تھی اب اس کی تکمیل کا وقت پورا ہوا جا رہا تھا کیسے رُکتے ،

چنانچہ عین حج کے موقعہ پر بیت اللہ پر بھی آخری نگاہ ڈال رہے ہیں۔ کعبہ کی جدائی پر بھی ویسے ہی آنسوؤں کی بارش شروع ہو گئی ، جیسے روضہ رسول کریم صلے اللہ تعالے علیہ وسلم کی فرقت پر ہوئی تھی۔ بس دعائے رسول نے رفاقت اختیار کی۔ اللھم اعط الحسین صبرًا و اجرًا۔

آج صبر کا پیکر مکہ مکرمہ سے کربلا معلٰی کی طرف جا رہا ہے اور پھر منزل بہ منزل طے کی اور مقام کرب وبلا پر خیمہ زن ہو گئے۔

بچے بچیاں ، مخدرات مقدسات ، بھائی ، بھانجے بھتیجے اور دیگر چند جاں نثار دل کا سردار ان کو اپنی محبت ورافت کے جلو میں لے کر میدان کربلا میں اسلام کا پرچم بلند کرنے کے لئے ڈٹ گیا ،

یزیدی افواج نے اپنی ظالمانہ کارروائی کا آغاز کر دیا۔ دانہ ، پانی ، بات چیت الغرض ہر چیز کا بائیکاٹ شروع ہو گیا۔ عراق کا آج ہی بائیکاٹ شروع نہیں ہوا۔ نمرودی ، فرعونی ظالم کبھی یزید اور کبھی بش کی صورت میں عراق کا بائیکاٹ کرتے چلے آرہے ہیں اسی تاریخ کو ظفر علی خاں اپنے شعر میں یوں دھراتے ہیں:

قتل حسین اصل میں مرگ یزید ہے
اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

ظالم یزیدی آپ کے معصوم بچوں ، غیر مسلح بھائیوں اور نہتے رفقاء پر پل پڑے۔ دفاع میں جو کچھ دنیا کی کم ترین فوج کے پاس موجود تھا ، یزیدیوں کا اسی اسلحہ سے مقابلہ شروع ہو گیا ،

یکے بعد دیگرے آپ کے ننھے اصغر سے لے کر جوان اکبر تک جام شہادت نوش فرما گئے۔ نفائث الہیہ کا پیکر جمیل امام حسین زندگی بھر صبر کی جن منزلوں کو طے کرتے آ رہے آج یک وقت ان سے بھی زیادہ کڑی گھڑی سہہ لی۔ بھائی عباس علمبردار بھی آنکھوں کے سامنے شہید ہو گیا۔ تقریبًا ایک سو کے قریب قریبی جاں نثار شہادت سے سرفراز ہو چکے تو ایسے میں پھر دعائے رسول نے سہارا دیا

اَللّٰھُمَّ اعط الحسین صَبرًا وَّ اجرًا

"الٰہی میرے حسین کو صبر و اجر عطا فرما :"

اور پھر آخر میں صبر کو منزل بہ منزل پایۂ تکمیل تک پہنچا کر آپ نے بھی اپنا سر اللہ تعالے کی بارگاہ میں نذرانہ پیش کر دیا۔ اور رہتی دنیا تک صبر و اجر کی یہ عظیم داستان تازہ بہ تازہ آج بھی اپنی رعنائی میں بے مثال نظر آ رہی ہے۔

حسین ابن علی کی شانِ رفعت کوئی کیا جانے
حسن جانے علی جانے نبی جانے خدا جانے

اور آج

خونِ گلوئے اصغر مظلوم کی قسم
دنیا کو آج تیری ضرورت ہے یاحسین
تیرے جوان اکبر و قاسم کے خون سے
سرسبز آج باغِ رسالت ہے یاحسین
پہلے یزید ایک تھا اب ملکوں میں یزید
پھر اک مزاج نوکی سیاست ہے یاحسین

—٭—